ٹکے دا تماشہ

از

شازیہ چوہدری

شاہدہ چوہدری

دکھ آشنا

آج اتنے طویل سالوں میں مہ رخ اس طرح روئی تھی۔

نہ کوئی واویلا' نہ دہائی

نہ ہی پلو پھیلا پھیلا کر بددعائیں

نہ اپنا "صبر" پڑنے کی نوید

آج تو سر پہ دوپٹہ بھی نہ بندھا تھا......

رونی بھی باقاعدہ آنسوؤں کے ساتھ تھی ورنہ اس سے پہلے وہ رو تو رہی ہوتی لیکن چند ہی آنسو بمشکل آنکھوں سے نکل کر چہرے کا رخ کرتے۔ جس کا سدباب وہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر بخوبی کرتی تھی۔

یہ آج تو آنسوؤں کا سیل رواں تھا جو ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

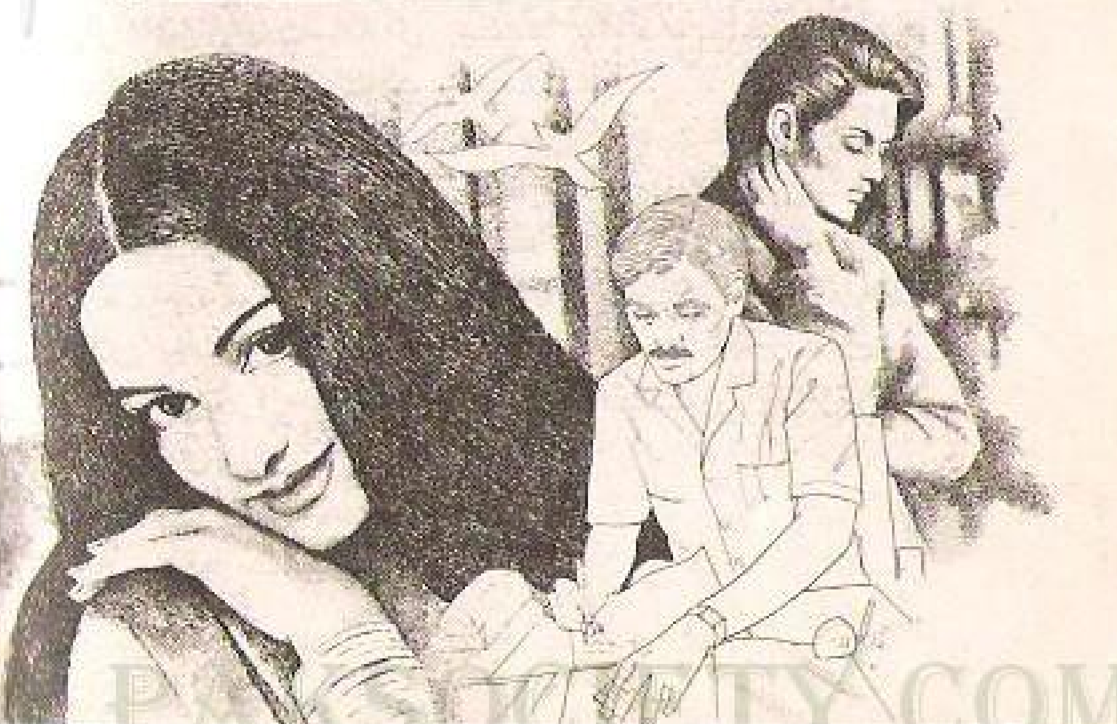
شدت گریہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ گلابی چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ گزشتہ دو گھنٹوں سے ایک سے انداز میں بیٹھی گردوپیش سے بے خبر روئے جا رہی تھی۔

آج اسے کسی دکھاوے کی ضرورت نہ تھی' ورنہ مہ رخ کا رونا' اس کے بین' اس کا چلانا ایسا ہوتا تھا کہ آس پاس کی عورتیں' ہمیشہ ہی بڑی دلچسپی سے دیکھا کرتی تھیں پر آج......

☼ ☼ ☼

بارہ سالہ ذیشان' سات سال کی صبا اور دو ماہ کی ... زندگی کتنی مکمل اور بھرپور لگ رہی تھی۔ آہستہ روی ...

ناولٹ



سے بہاروں کی جانب جاتی ہوئی! ابھی کل ہی تو ظہیر حنا کو گود میں اٹھائے کہہ رہے تھے۔

"میری بیٹی بہت خوش قسمت ہے۔ جب سے آئی ہے۔ گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ میری اتنے سالوں کی رکی ہوئی ترقی ہو گئی۔ مکان کا مقدمہ بھی ہم جیت گئے۔" وہ کتنی محبت بھری نظروں سے اس ننھے منے وجود کو دیکھ رہے تھے۔

"رقیہ! بچے بڑے ہو رہے ہیں، اب ان دو کمروں میں گزارا نہیں ہو گا۔" وہ اب رقیہ کی طرف متوجہ تھے۔ "ان گرمیوں میں آگے بیٹھک بنوا لیتے ہیں۔"

رقیہ کا جواب سنے بغیر وہ دوبارہ حنا کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

تب تقدیر نزدیک ہی کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"ابو جی! آپ نے کہا تھا کہ آج نیم پہ جھولا ڈال کے دیں گے۔" حنا رسی لئے کھڑی تھی۔

"ارے ابو کی جان! آج گزر تو نہیں گئی نا۔ ابھی جھولا ڈال دیتے ہیں' اپنی گڑیا بیٹی کے لئے۔" انہوں نے اس کی چھوٹی سی ناک کو ہولے سے چھوتے ہوئے کہا۔

"لو بھئی' صبا کا جھولا تیار ہو گیا۔" انہوں نے اس کو جھولے پر بٹھایا تو وہ خوش ہو گئی۔ ظہیر اس کو کتنی ہی دیر جھلاتے رہے۔ تب ہی رقیہ نے ان کو چائے کے لئے اندر آنے کو کہا۔

"بیٹا! کل سے ہم ساری شام اپنی بیٹی کو جھولا جھلائیں گے۔" اس کے گالوں پہ پیار کر کے وہ اندر آ گئے۔

زیشان اپنے اسکول کے کام میں مصروف تھا۔ "ابو! مجھے میتھس سمجھ نہیں میں آتا۔ آپ کچھ ہیلپ کرا دیا کریں۔"

"آج نہیں یار کل سے انشااللہ۔ رقیہ! کل سے روٹین کچھ اور سیٹ کرتا ہوں تاکہ بچوں کے لئے زیادہ ٹائم مل سکے۔"

ظہیر اور رقیہ نے تنکا تنکا اکٹھا کر کے آشیانہ بنایا تھا۔ زندگی کے گرم سرد چکھ کر وہ اس موڑ تک آئے تھے۔ رقیہ کے تو ماں باپ اس کے ہوش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ تایا کے پاس اس کو صرف روٹی اور چھت کی عیاشی میسر رہی۔ ظہیر کے والدین البتہ ان کی شادی کے کچھ عرصہ بعد فوت ہوئے تھے۔ ظہیر کے بڑے بھائی اور بہن کراچی میں رہتے تھے۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح بالکل عام سی تھی۔ کہتے ہیں کہ آنے والے وقت کا سایہ پہلے پڑ جاتا ہے لیکن کم از کم اس اندھے موڑ کا رقیہ کو بالکل اندازہ نہ تھا۔

وہ دونوں ہی سحر خیزی کے عادی تھے۔ اس صبح بھی دونوں نے نماز پڑھی تو رقیہ کچن میں چلی گئی اور ظہیر رات کی روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چڑیوں کو ڈالنے لگے' یہ ان کا برسوں کا معمول تھا۔ ان کی چھوٹی سی کٹوری دھو کر تازہ پانی سے بھری اور زیشان کو جگانے لگے۔ حنا بے خبر سو رہی تھی۔ اسے اٹھانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اسکول جانا ضروری تھا' لہٰذا ہولے ہولے اس کا سر دو تین بار سہلایا تو وہ بھی اٹھ بیٹھی۔

اتنی دیر میں رقیہ ناشتہ بنا چکی تھی۔ کچن میں ہی بیٹھ کر چاروں نے ناشتا کیا۔ حنا بدستور سو رہی تھی۔ وہ ویسے بھی نو بجے تک ہی اٹھتی تھی۔ بچوں کو اسکول بھیج کر ظہیر بھی دفتر روانہ ہو گئے۔

رقیہ اب جلدی جلدی کام نمٹا رہی تھی۔ حنا کے اٹھنے سے پہلے جتنا کام ہو جائے بہتر ہے۔ وہ کام کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ "آج تو مشین بھی ضرور لگانی ہے۔ ظہیر کے آفس میں فنکشن ہے اور ان کا براؤن سوٹ میلا ہے۔"

اسی وقت ان کے دروازے کو کسی نے بہت زور سے پیٹ ڈالا۔ کچھ عجیب سی ملی جلی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ رقیہ نے بڑی عجلت میں دروازہ کھولا۔

وہ بعد میں مدتوں کبھی اس بات پر حیران' کبھی شاکی اور کبھی افسردہ رہی کہ اس روز وہ دروازہ کھولنے سے پہلے

ظہیر کو خون میں نہائے' کسی اجنبی شخص کے بازوؤں میں بے جان لٹکے دیکھ کر وہ مر ہی کیوں نہ گئی؟

اس روز ظہیر نے اسٹاپ پر ابھی پاؤں دھرا ہی تھا کہ پیچھے سے آنے والی تیز رفتار بس ان کو کچلتے ہوئے چلی گئی۔

آج ظہیر کو گزرے چوتھا دن تھا۔ تین دن سے تو محلے کے کسی گھر سے کھانا آ رہا تھا کہ رسم دنیا بھی تھی۔ ظہیر کے بھائی' بہن آج رات کراچی روانہ ہو رہے تھے۔ ان کی گھریلو مصروفیات' گھرداری کے تقاضے' ملازمت' بچے' ان کی چھٹیاں... اس سے زیادہ بھائی کا غم منانے کی اجازت نہ دے رہے تھے۔ چلتے چلتے ظہیر کے بھائی نے اس کو ہزار ہزار کے کچھ نوٹ تھما دیے تھے۔ ہماری طرف سے کہہ کر۔

رقیہ اب بالکل تنہا بیٹھی تھی۔ حنا اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو منہ میں ڈال کر چوس رہی تھی۔ اپنے باپ کی کم نصیب بیٹی کی بدقسمتی پر ان تین دنوں میں سب نے خوب ترس کھایا تھا۔

صبا پہلے بھی شرارتی نہ تھی۔ اب کچھ اور سہم گئی تھی۔ زیشان قدرے سمجھ دار تھا۔ وہ یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اب صرف میتھس کے سوال نہیں زندگی کے ہر سوال کا جواب خود ہی تلاش کرنا ہے۔ اب زندگی ہو گی اور اس کی کڑی دھوپ' راہ میں کوئی شجر سایہ دار نہیں۔

"اب میں کیا کروں نہ تعلیم نہ ہنر... کہاں سے زندگی کی الجھی ہوئی ڈور کا سرا تلاش کروں۔" رقیہ سوچوں کے جانے کون کون سے تانے بانے بن رہی تھی۔ آنسو ایک تواتر سے بہے چلے جا رہے تھے۔

"رقیہ! اٹھو دیکھو یہ حنا کب سے رو رہی ہے۔ اس کو دودھ پلاؤ۔" سلیمہ خالہ کی آواز نے اس کو چونکا دیا۔ خالہ کے مہربان چہرے کو دیکھ کر وہ دوبارہ رونے لگی۔ نہ جانے کتنی دیر روتی رہی۔

"رقیہ! میرے بچے! پی لے ان آنسوؤں کو' یہ رونا تو اب عمر بھر کا ہے۔" خالہ کے لہجے میں جانے کن سالوں کا تجربہ تھا۔

"رقیہ بیٹے! بچوں کو کچھ کھلایا ہے یا نہیں۔ میں نے کھانا باورچی خانے میں رکھا ہے۔ گرم کر کے ادھر ہی لے آؤ۔ میں بھی ادھر ہی کھاؤں گی۔ اٹھو شاباش' میں بچوں کو دیکھتی ہوں۔"

خالہ کو اٹھتا دیکھ کر رقیہ بھی نیم دلی سے اٹھ گئی۔ اندر دونوں بچے اپنی کتابیں کھول کر بیٹھے تھے۔ ستے ستے' میلے سے اور سہمے ہوئے چہرے۔

خالہ نے ان دونوں کو منہ ہاتھ دھونے کو کہا اور اتنی دیر میں ان کے صاف کپڑے نکال لئے۔ بچوں کو صاف ستھرا کر کے اندر لے کر آئی تو خالہ دسترخوان بچھائے ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

"میں نے آج اپنے دونوں بچوں کی پسند کا کھانا بنایا ہے۔ قیمہ مٹر اور چاول' چلو شاباش بچو اب جلدی سے شروع کرو۔ مجھے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔" خالہ' شاید بول کر ماحول کے سناٹے اور وحشت کو کم کر رہی تھیں۔

بہرحال بچے وقتی طور پر بہل سے گئے۔ کھانے کے بعد رقیہ تو دسترخوان سمیٹنے میں لگ گئی اور خالہ دونوں بچوں کو لے کر لیٹ گئیں۔ ان کو کہانی سنا کر سلایا۔ پھر اٹھ کر رقیہ کے پاس آ گئیں۔ رقیہ بھی حنا کو سلا چکی تھی۔

"بیٹا! جب تک تمہاری عدت ختم نہیں ہوتی۔ میں رات کو ادھر ہی سویا کروں گی۔" رقیہ مشکور سی ہو گئی۔

خالہ نے صبح اٹھ کر زیشان اور صبا کو اسکول بھیج دیا۔ خود سبزی لینے چلی گئیں۔ واپس آئیں تو رقیہ وہیں بیٹھی تھی۔ آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان اس کے سانولے کمزور سے چہرے پہ بہت نمایاں تھے۔ وہ ایک خانماں برباد عورت کی مکمل تفسیر لگ رہی تھی۔ ان کا دل دہل سا گیا۔

"حد ہو گئی رقیہ! تم نے ابھی گھر تک سمیٹنا شروع نہیں کیا اور دوپہر سر پر آ گئی ہے۔" ان کے نارمل سے انداز پر رقیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کو کام میں مصروف کر کے وہ گھر چلی آئیں۔

آج ظہیر کا دسواں تھا۔ دن کبھی اتنے طویل بھی ہو سکتے ہیں۔ رقیہ کو اندازہ نہ تھا۔ یتیمی کے کٹھن شب و روز بھی اس نے گزارے تھے۔ لیکن ماں باپ اتنی کم سنی میں گزر گئے تھے کہ ان کی ٹھنڈی چھاؤں کا کچھ احساس نہ تھا۔ پر یہاں تو چودہ سالہ رفاقت پل بھر میں ٹوٹ گئی تھی۔ ظہیر تو اس کی ذات کے ہر موسم کا ساتھی تھا۔ بن کہے اس کے دل کی بات جاننے والا۔ وہ پہاڑ کی طرح کسی موسم کی سختی، زندگی کی کوئی شدت اس تک آنے ہی نہ دیتا تھا۔ وہ تو یہی سمجھ بیٹھی تھی کہ بس یوں ہی بہاروں کے سنگ سنگ زندگی گزر جائے گی۔

دسویں کے بعد ظہیر کے آفس کے ایم۔ ڈی نے ذیشان کو پچاس ہزار کا چیک دیا جو کہ اس کے ساتھیوں نے اپنی مدد آپ کے تحت جمع کیے تھے اور عدت کے دوران ظہیر کی پوری تنخواہ دینے کا وعدہ کیا تھا اور بیس ہزار فرم نے اپنی طرف سے دیے تھے۔

اس رات بچوں کو سلانے کے بعد خالہ، رقیہ سے پوچھنے لگیں۔ ''اب کیا سوچا ہے زندگی کس طور گزارنی ہے؟''

''خالہ! مجھے تو خود اس سوال کا جواب نہیں معلوم، میں خود سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی ہوں۔'' رقیہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

''بیٹا! ایک تو ان آنسوؤں کو اب آنکھوں کے اندر ہی ختم کر ڈالو۔ تمہارا سفر بہت مشکل ہے۔ ہر سمت کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ تمہاری ہمت تمہاری زادِ راہ ہے۔ جس سے تم نے اپنے مشکل تر سفر کو آسان کرنا ہے۔'' خالہ اب تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھیں۔

''رقیہ! اس وقت تو تمہارے پاس رقم ہے پر اگر بیٹھ کر کھاؤ گی تو سال بھر بھی نہ چلیں گے۔ تعلیم تمہاری اتنی نہیں کہ کوئی ڈھنگ کی نوکری مل سکے پھر؟'' اب وہ رقیہ کی طرف متوجہ تھیں۔

''خالہ! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں اب گھر بیٹھ کر نہیں کھا سکتی۔ لیکن ان الجھے ہوئے حالات کا کوئی سرا بھی ہاتھ نہیں لگ رہا۔ آپ کوئی مشورہ دیں۔'' رقیہ نے سارا بوجھ خالہ پر ڈال دیا۔

''رقیہ بیٹا! پچھلے محلے کی کچھ عورتیں بوتیک والوں کے لیے کڑھائی اور سلائی کا کام کرتی ہیں۔ معاوضہ بھی مناسب ہے۔ یہ دونوں ہنر تمہارے پاس ہیں۔ میں تمہیں کام لا دیا کروں گی۔ مجھے تو اس کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آگے تمہاری مرضی۔''

''نہیں خالہ! مرضی والی عیاشی اب میری زندگی میں نہیں رہی۔ اب تو مجبوری ہے۔ آپ کل سے ہی کام مجھے لا دیں۔'' اور یوں تھوڑے دن بعد زندگی کی گاڑی چلنا شروع ہو گئی۔

شروع میں تو ہر ٹانکے پر ظہیر کی یاد آتی۔ دھاگوں کے رنگ ان ہی بہاروں میں لے جاتے۔ آنکھیں گویا دھندلی ہی رہتیں۔ گھر میں بچوں کی مدھری چہکار گونجا کرتی تھی پر اب ایک سناٹے کا راج رہتا۔ خاموشی صرف حنا کے رونے کی آواز سے ٹوٹتی۔ رقیہ سوچتی کہ ایک ظہیر کے جانے سے جیسے ''رعنائی خیال'' ہی زندگی میں نہ رہی ہو۔

صبا ہر شام اس جھولے کے پاس کھڑی ہو کر اس پر کتنی کتنی دیر ہاتھ پھیرتی رہتی مگر جھولا نہ جھولتی۔ کبھی جو رقیہ کہہ دیتی ''شان! بہن کو جھولا جھلا دو'' تو وہ بڑی شدت سے منع کرتی۔ پتا نہیں وہ جھولا اس چھوٹی سی بچی کے لیے کتنی ناتمام خواہشوں اور وعدوں کا عکس بن گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

چار ماہ بعد عدت ختم ہو گئی تو وہ خالہ کے ساتھ خود جا کر آرڈر کا کام لینے لگی۔ وہ اب کچھ حوصلہ کر رہی تھی۔ اس کو خالہ کا ساتھ بڑا غنیمت لگا کرتا تھا۔ وہ ان پر بوجھ نہ بننا چاہتی تھی مبادا خالہ اکتا ہی نہ جائیں۔

لیکن روز و شب کی اس مصروفیت میں اس کے پاس بچوں کے لیے وقت نہ رہتا۔ وہ منتظر رہتے کہ کب امی ہمارے پاس آ کر سوئیں گی۔ ہمیں کوئی کہانی سنائیں گی ہم سے پوچھ کر کوئی اچھا سا کھانا بنائیں گی، یا پڑھائی میں کوئی مدد کریں گی لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ اسکول سے آتے تو رقیہ ان کا کھانا پکا کر بوتیک جانے کو تیار ہوتی۔ ننھی حنا کو ان کے حوالے کرتی اور کپڑوں کا ڈھیر اٹھا کر چلی جاتی۔ وہ دونوں کھانا کھا کر برتن بھی دھو لیتے۔ کبھی حنا کے ساتھ کھیلنے لگ جاتے یا سو جاتے۔

رقیہ اکثر واپسی پر ہی گھر کا روزمرہ کا سودا سلف بھی لے آتی۔ واپسی پر وہ اتنی تھکی ہوئی ہوتی کہ آتے ہی سو جاتی۔ شام کو دوبارہ سلائی یا کڑھائی۔

جن بچوں کے لیے وہ دن رات محنت کر رہی تھی۔ ان پر ایک پیار بھری نظر ڈالنے کی ان کے ماتھے پر بوسہ دینے کی فرصت عموماً اس وقت ملتی جب وہ سو چکے ہوتے۔ وہ ان کے کمزور ہوتے وجود، کملائے ہوئے چہرے دیکھتی تو ہول جاتی۔ لیکن حالات کا گرداب جیسے اس کو گھمائے جا رہا تھا۔

''خالہ! میں کیا کروں۔ بچے بہت سہمے رہتے ہیں باپ ویسے ہی خدا نے بلا لیا اور ماں سے جیتے جی محروم ہو گئے۔'' وہ سسک پڑی۔

''رقیہ بیٹے! میں آج یہی بات تم سے کرنے آئی تھی۔ طاہر کہہ رہا تھا کہ اگر بھابھی گھر میں کاپیاں، پنسلیں وغیرہ رکھ لیں۔ میں اردو بازار سے لا دیا کروں گا۔ اس میں بہت بچت ہے۔''

رقیہ نے اگلے دن خالہ کو دس ہزار روپے بینک سے نکلوا کر دے دیے۔ طاہر جب اسٹیشنری لے کر آیا تو رقیہ اتنا ڈھیر دیکھ کر دہل ہی گئی۔

''یا اللہ! میں کیوں کر بیچ پاؤں گی۔ میرے تو دس ہزار بھی گئے۔'' وہ یوں بھی بہت جلد ہمت ہارنے لگتی تھی۔

''بھابھی! ادھر آئیں۔ ان کی قیمت سمجھ لیں۔'' طاہر کی آواز پر وہ مرے مرے قدموں سے چلتے ہوئے آگے آئی۔ لیکن رقیہ کے وہ اندیشے، واہمے سب خام خیال ہی رہا۔

اردگرد پرچون کی دو کانیں تو تھیں۔ اسٹیشنری کی نہیں۔ کچھ درمیانے طبقے کی اس آبادی میں خوفِ خدا بھی موجود تھا۔ کہیں اور سے خریدنے کے بجائے رقیہ کو ترجیح دیتے۔

دو ماہ بعد نئے تعلیمی سال کے شروع ہونے سے پہلے اس کو طاہر نے نزدیکی اسکولوں کے نصاب کے سیٹ لا دیے تھے یہ کام رقیہ کی توقعات کے برعکس منافع بخش تھا۔ اب وہ سلائی کڑھائی کا کام بچوں کے اسکول جانے کے بعد ہی کرتی۔ بعد کا سارا وقت بچوں کے لیے تھا۔ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں وہ دلچسپی لیتی۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتی۔ وہ ظہیر کی کمی تو پوری نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کی شدت کو کم کرنے کی ضرور کوشش کرتی۔

زندگی قدرے ٹھہرے ہوئے انداز میں آگے بڑھنے لگی۔

رقیہ چونک گئی جب چھوٹی سی حنا ون کلاس میں آ گئی۔ کتنا وقت گزر گیا۔ ابھی کل کی بات تھی جب وہ

اور ظہیر اس آنگن میں اپنے بچوں کو بڑا ہوتے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں کتنے خواب مشترکہ تھے۔

وہ سال خوردہ سا جھولا' شکستہ سا اب بھی نیم پر لٹک رہا تھا۔ جس پر صبا دوبارہ کبھی نہیں بیٹھی۔ بس اس کو چھو کر محسوس کرتی رہی۔ بارہ سالہ صبا کو وہ شفیق سا وجود' اب بھی اپنی تمام تر نرمیوں کے ساتھ' دھندلا دھندلا سا یاد تھا۔ اور اس سے کیا وہ نامکمل وعدہ۔ وہ بہت عرصہ اس شام کا انتظار کرتی رہی۔ جس کا وعدہ اس کے ابو نے کیا تھا۔

ایک روز جب ٹیچر نے اسکول میں بتایا تھا کہ جن کو اللہ تعالیٰ بلا لیتے ہیں' وہ دوبارہ کبھی واپس نہیں آتے تو اس کا ننھا سا دل جیسے ڈوب سا گیا تھا۔

"ٹیچر! اگر انہوں نے کوئی وعدہ کیا ہو۔ اس کو پورا کرنے کے لیے بھی نہیں۔" اس نے قدرے شکستگی کے عالم میں پوچھا تھا۔

"نہیں بیٹا!" ٹیچر نے اس کو ترحم آمیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "بہادر بچے کسی وعدے کا انتظار نہیں کرتے۔"

تب صبا بہت کوشش کے باوجود ٹیچر کو بتا نہیں سکی کہ وہ تو بہت بزدل ہے۔ کتنے ہی آنسو اس کے اندر گرتے رہے۔ اسکول کا وہ دن اس کو بہت طویل لگا تھا۔ گھر آ کر وہ بہت روئی تھی۔ اسی طرح روتے روتے سو گئی۔ رقیہ کے بہت پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہ بتایا۔

شام تک اس اس کو تیز بخار چڑھ چکا تھا۔ حنا اس گھر کی رونق تھی۔ ہنستی مسکراتی ماں کی لاڈلی اور بھائی بہن کی پیاری۔ اس کی شرارتوں سے ان کے گھر کا سناٹا ٹوٹتا۔ اس کی ہنسی کی جلترنگ سے اس اداس سے گھر میں زندگی کا نغمہ گونجتا۔ زندگی کے گرم سرد چکھتے۔ یہ چھوٹا سا گھرانہ اب قدرے آسانیوں کی طرف آ گیا تھا۔ ایم۔ کام کرنے کے بعد ذیشان کو بینک میں اچھی ملازمت مل گئی تھی۔ یہ بھی اس کو سلیمہ خالہ کے بیٹے طاہر کی کوششوں سے ملی تھی۔

رقیہ اکثر سوچتی کہ اللہ نے سلیمہ خالہ کو اس کے لیے رحمت کا فرشتہ بنا دیا۔

زندگی کی جدوجہد میں ان کا وجود اس کے لیے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ رہا۔ ہر کڑے وقت میں وہ اس کے ساتھ رہیں۔

جب وہ ہمت ہارتی تو سب سے پہلا ہاتھ جو اس کو مایوسی کی دلدل سے نکالنے آگے بڑھتا وہ ان ہی کا ہوتا۔ وہ اس کے لیے ماں جیسی شفیق تھیں۔ بہنوں کی طرح نرم اور دوستوں کی طرح ہمدم۔

☼ ☼ ☼

ذیشان اب چھبیس سال کا ہو چکا تھا۔ صبا سوشیالوجی میں ماسٹرز کر رہی تھی اور حنا آٹھویں میں تھی۔ ذیشان نے ملازمت ملتے ہی اپنی ماں سے سلائی کا کام ترک کرنے کی درخواست کی تھی۔ رقیہ کے بالوں میں چاندی اتر آئی تھی' کل کی وہ لڑکی ایک بھاری بھرکم عورت کے روپ میں ڈھل چکی تھی ان میں اب بھی ہمت نہ تھی۔ زندگی کا سفر تنہا کاٹنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس وادیٔ پُرخار نے ان کے روم روم کو تھکا دیا تھا۔ وہ بھی اب ستانا چاہتی تھیں۔

"خالہ! صبا کے ماسٹرز کرنے میں ابھی ڈیڑھ سال باقی ہے۔ میں ذیشان کی شادی کا سوچ رہی ہوں۔ مدت ہو گئی ہے ہمارے گھر سے خوشی کو رخصت ہوئے۔ ذیشان کی شادی سے ہمارے گھر میں بھی رونق ہو جائے گی۔"

یوں سلیمہ خالہ اور رقیہ ذیشان کے لیے اچھی سی لڑکی کی تلاش میں مہ رخ کے گھر جا پہنچیں۔ مہ رخ چاروں بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ خوبصورتی بھی اتنی افراط میں۔ ہر بہن سراپا غزل۔ خوبصورت سروقد' سیمیں بدن' غنچہ دہن۔ خوبصورتی کے استعارے پر پوری اترتی وہ تو گویا رقیہ کے دل میں ہی بس گئی۔ خالہ کو البتہ اس گھرانے کے رنگ ڈھنگ اچھے نہ لگے۔

"اے لو۔ پتا بھی تھا' ہمارے آنے کا' پر سارا سامان بازاری اور وہ بھی ٹھنڈا ٹھار۔"

"خالہ! یہ تو کوئی نقص نہ ہوا۔"

"اور جو میں بہانے سے ذرا گھر کے اندر گئی۔ توبہ توبہ باورچی خانے میں ابھی تک ناشتے کے برتن بھی سڑ رہے تھے۔ کوڑے کی ٹوکری تو جیسے ابل رہی تھی۔ سارا گھر اوندھا پڑا تھا اور ماں بیٹیاں کیسے جگر جگر کر رہی تھیں۔ رقیہ بیٹا! اپنے ذیشان میں بھلا کمی کیا ہے۔ بانکا سجیلا' کماؤ۔ میری مان کوئی اور گھر دیکھ لیں گے۔" خالہ گھر جانے کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

رقیہ یہ احوال سن کر کچھ تذبذب میں پڑ گئی تھیں لیکن مہ رخ کی بھولی بھالی' شوخ سی صورت دل سے نکل نہ رہی تھی۔ رقیہ کو لگ رہا تھا کہ مہ رخ کے آ جانے سے ان کے سنجیدہ سے بیٹے کی زندگی میں بہار آ جائے گی۔ ان کا گھر بج جائے گا۔

صبا اور حنا بھی بہت پُرجوش تھیں۔ ایک طویل مدت بعد خوشی کی لہر ان کی زندگی میں دوڑ گئی تھی۔ ذیشان البتہ بہنوں سے پہلے اپنی شادی کے حق میں نہ تھا لیکن رقیہ نے اس کا ہر اعتراض مسترد کر دیا تھا۔ مہ رخ کے سلسلے میں خالہ نے دوبارہ بھی رقیہ کو روکا لیکن مہ رخ جیسے رقیہ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ ایک شام وہ خالہ کو دوبارہ ساتھ لے کر رشتے کے لیے ہاں کر آئیں۔

چند دن بعد سادہ سی تقریب میں انہوں نے مہ رخ کو ذیشان کے نام کی انگوٹھی پہنا دی۔

منگنی کے بعد تو ان لوگوں کی آمدورفت ایسے بڑھی کہ یہ لوگ بوکھلا ہی گئے۔ عموماً نو بجے ہی آ جاتے اور رات کا کھانا کھا کر واپسی ہوتی۔ مہ رخ بھی اکثر ہی ساتھ ہوتی۔

"یہ تو مان ہی نہیں رہی تھی۔ زبردستی ساتھ لائی ہوں۔ چلتے چلتے ہاتھ پکڑ کر رکشے میں بٹھایا ہے۔" صبا کو اکثر ان لوگوں کی وجہ سے یونیورسٹی سے چھٹی کرنا پڑتی۔ مہ رخ کے آنے میں اس کو کبھی زبردستی کا عنصر تو لگا ہی نہ تھا' بلکہ اس کے خیال میں تو وہ ذوق و شوق اور رغبت سے آتی تھی۔

جس روز وہ رکشے میں زبردستی بٹھائی گئی تھی۔ اس روز اس نے گہرے جامنی اور زرد رنگ کا نہایت شوخ سوٹ پہن رکھا تھا۔ جوتوں میں بھی یہی دو رنگ نمایاں تھے۔ کانوں میں جامنی رنگ کے آویزے اور بالوں میں زرد کلپ۔

"اس گرمی میں کمال ہمت ہے بھابھی نے اس طرح کی ڈریسنگ کر رکھی ہے۔" اس سے آگے کچھ اور سوچ نہ سکی۔ کمال یہ تھا کہ بہنوں میں سے کوئی "تکلفاً" کچن میں آ کر جھانکتا بھی نہ تھا۔ پانی پی کر کسی بھی نزدیکی جگہ گلاس رکھ دیتیں جیسے کسی پکنک اسپاٹ پر آئی ہوں اور پھر از خود ہی مینو بھی بتا دیا جاتا۔

"بھئی۔ سبزی اکیلے مزا نہیں دیتی۔ کریلوں میں ذرا سا قیمہ بھون لیں بہن۔"

"آنٹی! اس روز آپ نے پودینے کی چٹنی بہت اچھی بنائی تھی۔ آج بھی بنا لیں۔"

اس بار وہ آئیں تو صبا یونیورسٹی جا چکی تھی۔ رقیہ نے پہلے تو ٹھنڈے سے ان کی خاطر کی۔ پھر چائے اور بسکٹ وغیرہ بھی رکھ دیے۔ اب وہ سب فراغت سے بیٹھی تھیں۔ رقیہ سوچ رہی تھیں کہ کیا کریں۔ فریج میں آلو بینگن رکھے تھے۔ صبا کہہ کر گئی تھی کہ میں شام کو پکاؤں گی۔ آپ آج آرام ہی کیجیے گا۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔ آخر سوچ کر قیمہ چڑھایا اور ساتھ ہی چاول چننے لگیں۔

دو دن سے بخار تھا جس کی وجہ سے کچھ کمزوری سی محسوس ہو رہی تھی مہ رخ وغیرہ کو بتا بھی دیا تھا لیکن کوئی کچن میں آ کر کھڑا بھی نہ ہوا۔ وہ چاول دم دے کر فارغ ہوئی ہی تھیں جب حنا اسکول سے آئی۔

یہ منظر دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ ویسے بھی صبا اور ذیشان سے بالکل مختلف تھی۔ ماں کو اس نے زبردستی دوسرے کمرے میں لٹا دیا۔ خود سلاد کاٹنے لگی۔ رائتہ بنا کر مہ رخ کی چھوٹی بہن کو آواز دی۔

"ثمیں! ذرا پلیز روٹی ڈال دو۔ مجھ میں تو اب ہمت نہیں ہے۔"

"اور آنٹی؟"

"ان کو دوبارہ بخار چڑھ گیا تھا۔ دوائی دے کر لٹایا ہے۔"

"لیکن مجھے تو روٹی پکانی نہیں آتی۔"

"اس دن تو آنٹی کہہ رہی تھیں کہ میری تو چاروں بیٹیاں ایسی روٹی پکاتی ہیں کہ جو دیکھتا ہے' وہ بس عش عش ہی کر اٹھتا ہے۔"

"امی توبس۔" ثمیں نے دانت کچکچائے۔

اس گھرانے کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر رقیہ اب جی ہی جی میں ہولا کرتیں۔ کبھی دل میں آتا کہ یہ رشتہ ہی ختم کر ڈالیں۔ پر یہ شریفوں کا شیوہ نہ لگتا۔

آج کل گھر میں بھی کام شروع کروایا ہوا تھا۔ مستری مزدور لگے تو گویا آسیب کی طرح چمٹ ہی گئے۔ قریباً ڈیڑھ ماہ بعد کام مکمل ہوا تو صاف ستھرا گھر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ رقیہ کو ظہیر کی بہت یاد آ رہی تھی۔ ان کی کتنی خواہش تھی گھر میں کنسٹرکشن کروانے کی۔

رقیہ نے ہولے ہولے شادی کی تیاری شروع کر دی تھی جب ایک روز مہ رخ کا فون آیا۔

"آنٹی! بری کے کپڑے خریدنے جایا کریں تو مجھے ساتھ لے لیا کریں۔ اصل میں میری سلیکشن بہت اچھی ہے۔"

رقیہ نے صبا کو بتایا تو وہ بھی حیران ہو گئی۔

"امی پلیز' آپ بھابھی سے کہہ دیں۔ اپنی سلیکشن کے ہنر وہ جہیز کے کپڑوں پر آزمائیں۔ ہم نے کیکنی کلر بری نہیں بنوانی۔" حنا غصے میں بولی تھی۔

خالہ کے مشورے پر انہوں نے مہ رخ کی والدہ سے کہہ دیا تھا کہ ہمارے ہاں بری لڑکی کی مرضی سے نہیں خریدتے۔ ایسا رواج ہی نہیں ہے۔

ایسے ہی آہستہ آہستہ وہ سرد شام بھی آگئی جب مہ رخ ان کے آنگن میں دلہن بن کر اتری۔ خوشی' مسرت' نے بہت عرصے بعد ان کے گھر یہ دستک دی تھی۔ مہ رخ پر دلہن بن کر ایسا روپ آیا تھا کہ ہر ایک کی نگاہ میں ستائش تھی۔ سب ہی رقیہ کے انتخاب کو سراہ رہے تھے۔ ذیشان پہلی بار اس قدر خوش تھا۔ صبا اور حنا کے تو پاؤں زمین پر نہ پڑ رہے تھے۔ رقیہ بھی بہت خوش تھیں لیکن ظہیر کی یاد ان کو پریشان کیے ہوئے تھی۔

"آج اگر ظہیر بھی ہوتے تو کتنی مکمل خوشی ہوتی وہ تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا خوش ہوتے تھے۔ یہ تو ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہوتی۔" دھوپ چھاؤں کے اس امتزاج میں شادی' ولیمہ سب کچھ ہو گیا۔ شادی کا پہلا ہفتہ گزر گیا۔

مہ رخ ہنی مون پر سنگاپور جانا چاہتی تھی۔ ذیشان حیران ہی رہ گیا۔

"مہ رخ! میں اتنا منگا ٹرپ کیسے افورڈ کر سکتا ہوں۔"

ذیشان کا یہ کہنا قیامت ہو گیا۔ مہ رخ جو بولنا شروع ہوئی تو چپ ہی نہ ہوئی۔ اپنے برے نصیبوں کو کوسا گیا۔ اپنی ماں کے لتے لیے جنہوں نے مل اونرز کے رشتے مسترد کر کے ذیشان جیسے ٹٹ پونجیے کو پسند کر لیا۔ اب وہ بلند آواز سے رو رہی تھی۔ ذیشان افتاں وخیزاں کھڑا کا کھڑا ہی رہ گیا۔ اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ وہ کبھی ایسے سین کا حصہ ہو گا۔ اب تک اس کا واسطہ جن خواتین سے پڑا تھا' ان میں کوئی بھی اس فطرت کی نہ تھی۔ اس نے سہولت سے مہ رخ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کو اب کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔

ادھر وہ تینوں ماں بیٹیاں بھی پریشان تھیں۔ ان کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔ ان کے گھر میں پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ وہ تو سب ایک دوسرے سے بڑی نرمی اور سہولت سے بات چیت کرتے تھے۔ لڑائی کی تو کبھی نوبت ہی نہ آئی تھی۔

"امی! آپ پتا کریں۔ آخر کیا وجہ ہے۔ کہیں بھائی نے تو کچھ کہہ نہیں دیا۔" صبا' رقیہ سے کہہ رہی تھی۔ رقیہ کے تو اپنے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ مرے مرے قدموں سے گئیں۔ دروازہ

بھڑا ہوا تھا۔ دستک دے کر اندر جانا ہی غضب ہو گیا۔ مہ رخ کی بکواس کا رخ ان کی سمت ہو گیا۔

"کھا گئیں ماں بیٹیاں سب کچھ۔ اللہ کی مار ہو ان سب پر۔ اس وقت تو بڑی بینک منیجر کی ماں بنتی تھیں۔" وہ اب رقیہ کو کوس رہی تھی۔ ذیشان کمرے سے جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اللہ اپنے بندوں کو ہر طرح سے آزماتا ہے۔ وہ کبھی کبھی اپنے بندوں کی آزمائش' بندوں سے بھی کرتا ہے۔

مہ رخ کے ذریعے اللہ نے ان کو آزمایا تھا۔ ان کے صبر کو' ان کے ظرف کو' ان کے شکر کو۔ یہ تو بس اس آزمائش کی شروعات تھیں۔ ایک کے بعد دوسرا ڈرامہ۔ جس میں کبھی مہ رخ اکیلی ہوتی۔ کبھی اس کی مدد کے لیے اس کی ماں بہنیں موجود ہوتیں۔ ہاتھ مل مل کے پچھتاوے کا اظہار ہوتا کہ ہم نے تو صرف شرافت دیکھ کر ان کالے پیلوں کو اپنی پھول جیسی بیٹی دے دی تھی پر دھوکہ کھا گئے۔

صبا نے اسی تناؤ میں اپنے پیپرز دیے۔ رقیہ نے اسٹیشنری کا کام دوبارہ شروع کر دیا تھا۔

"ماں بیٹیاں کھا گئیں مل کے' کسی کو ترس نہیں آتا اکیلی جان پر۔" یہ مہ رخ کے مخصوص جملے تھے۔

ویسے وہ شدید تھکن اور کہیں نہ کہیں درد کی مریضہ تھی لیکن شاپنگ ایک ایسا جادوئی لفظ تھا جس کا سنتے ہی مہ رخ لمحوں میں ہر بیماری بھول کر' لپک جھپک بازار سدھارتی۔

صبا کا رزلٹ آیا تو اس کی فرسٹ پوزیشن تھی۔

"بھئی ہم سے تو نہیں ہوتی ایسی پڑھائی نہ رنگ رہے نہ روپ۔" یہ مہ رخ کا اس کے رزلٹ پر تبصرہ تھا۔

صبا نے کئی جگہ اپلائی کیا ہوا تھا۔ شاندار تعلیمی ریکارڈ کی وجہ سے چند ماہ بعد ہی لیکچرر شپ مل گئی۔ یہ خبر ان سب کے لیے ان گھٹن آلود فضا میں جیسے تازہ ہوا کا جھونکا تھا۔

زندگی کے اس گھاؤ نے رقیہ کو بہت کم زور اور کم ہمت کر دیا تھا۔ ذیشان کو دیکھ کر اور بھی ہولا کرتیں۔ سدا کا سنجیدہ شانی اب ایک پریشان حال آدمی تھا۔ رقیہ نے بارہا اس کو علیحدہ گھر لینے کے لیے کہا تھا۔

"امی پلیز! میری بدقسمتی پر مہر نہ لگائیں' بڑھاپے میں آپ کو اور دو جوان بہنوں کو تنہا چھوڑ جاؤں' میری آخرت بھی خراب ہو جائے گی۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ کہتا تو رقیہ چپ رہ جاتیں۔

ویسے بھی مہ رخ کو شوہر کی کسی ذمہ داری سے کوئی غرض نہ تھی۔ اس کے تمام کام ابھی بھی صبا اور حنا ہی کرتی تھیں۔

حنا بھی اب فرسٹ ایئر میں تھی۔ رقیہ کا کتنا دل چاہتا تھا' اپنے پوتا پوتی گودوں کھلانے کو' پر وہاں کوئی آثار نہ تھے۔ نہ ہی ان میں ہمت تھی پوچھنے کی۔

ان دنوں جب ذیشان اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کر چکا تھا۔ تقدیر ایک بار پھر اس پر مسکرا دی۔

مہ رخ نے اس کو ماں بننے کی نوید دی۔ ذیشان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوش ہو یا ماتم کرے۔ یہ خبر سن کر اس نے طلاق کے کاغذات پھاڑ دیے۔ اس نے خود ہی جھجکتے ہوئے یہ خبر ماں کو دی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ مہ رخ نے تو ایسا کوئی تکلف نہیں کرنا۔

☼ ☼ ☼

اس شام صبا کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے تھے۔ رقیہ کی کوئی جاننے والی یہ رشتہ لائی تھیں۔ فیروزی کڑھائی کے سوٹ میں صبا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ لڑکے کی ماں اور بہنیں آئی تھیں۔

سانولی سی صبا ان کو بہت پسند آئی تھی۔ جب بیل کی تیز آواز نے ان کو چونکا دیا۔ مہ رخ کی ماں اور اس کی چھوٹی بہن گل رخ تھیں۔

"بازار جانا تھا۔ سوچا مہ رخ کو ساتھ لیتے چلیں۔" وہ خود ہی صفائیاں دے رہی تھیں۔

گل رخ نے سرخ اور سیاہ نیٹ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔

کانوں میں سیاہ نگوں والی بالیاں اس کے سرخ و سفید چہرے پہ خوب بج رہی تھیں۔ ایک ہاتھ میں سرخ اور دوسرے میں سیاہ چوڑیاں تھیں۔

"آنٹی! اگر آپ اتنی تیاری سے بازار جاتے ہیں تو شادی پہ تو غضب ہی ہوتا ہو گا۔" حنا سبز مون لائٹ کے سوٹ میں پھنسی آنٹی سے کہہ رہی تھی۔

"اے ہٹو! تمہارے تو میں منہ نہیں لگتی۔" وہ واقعی حنا سے کتراتی تھیں۔ کچھ انہیں ڈرائنگ روم میں پہنچنے کی جلدی تھی۔

ان کے قدم پڑنے کی دیر تھی جیسے ہر چیز بدل گئی' جیسے کسی پری نے اپنی جادوئی چھڑی تھما دی ہو۔ ہنسی' مذاق' اونچے اونچے قہقہے' گل رخ کے ناز و انداز' اس کی ماں کا ان خواتین کے ساتھ بھناپا' صبا بالکل پس منظر میں چلی گئی۔

اگلے ہفتے گل رخ کی اسی لڑکے سے منگنی ہو گئی۔

"ہیرا چھوڑ کر بھلا وہ کوئلہ کیوں لیتے۔" یہ مہ رخ کا تبصرہ تھا جو اس نے صبا کے سامنے کیا تھا۔

"بھابھی! یہ ان کو بھی جلد پتا چل جائے گا کہ انہوں نے کوئلہ چھوڑ کر کوئلے کی پوری کان خرید لی ہے۔" حنا چپ نہ رہ سکی۔

"اے بالشت بھر کی چھوکری! اپنی حد میں رہا کر۔" مہ رخ تلملائی۔

"بھابھی! آپ بھی سن لیں۔ میں صبا نہیں ہوں' مجھے بگڑے ہوؤں کو ٹھیک کرنا بہت اچھی طرح آتا ہے۔" حنا سامنے پڑی ٹوکری کو ٹھوکر مارتے ہوئے گزر گئی۔

صبا کو کبھی کبھی حنا پر بہت رشک آتا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی اتنی ہی بہادر ہوتی کاش۔

☼ ☼ ☼

آج عکس اور نقش صبح سے ضد کر رہی تھیں کہ پاپا کے ساتھ پارک جانا ہے' دادو کے ساتھ نہیں۔ ذیشان پہلے تو ان کو ٹالتا رہا لیکن وہ نہ مانیں۔ آخر اپنی فائلز بند کر کے وہ تیار ہو ہی گیا۔

"صبا!" اس نے کاپیاں چیک کرتی صبا کو آواز دی۔ "چلو پارک تک چلتے ہیں۔ آؤٹنگ ہو جائے گی۔"

صبا کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن ذیشان کو انکار بھی نہ کر سکی۔ دونوں بہن بھائی بچیوں کو لے کر چلے گئے۔ مہ رخ کی سب سے چھوٹی بہن کی بیٹی کی سالگرہ تھی۔ وہ صبح سے وہیں گئی ہوئی تھی۔

سلیمہ خالہ کو آتا دیکھ کر رقیہ ہولے سے مسکرا دیں۔

"رقیہ! اتنا وقت گزر گیا پر تمہاری بہو اور ان کی ماں کا کوئی شوق بھی کم نہ ہوا۔ ماشاءاللہ اب تو عکس بھی سات سال کی ہو گئی ہے پر نانی اماں کا الھڑپن برقرار ہے۔"

رقیہ بس مسکرا دیں۔ "خالہ! سدا بہار تو آپ بھی ہیں۔"

"حنا کا کوئی فون آیا؟"

"کل ہی آیا تھا۔ ٹھیک ہے' آپ کو سلام کہہ رہی تھی۔ خالہ سوچتی ہوں۔ صبا سے چھوٹی حنا' ایک بچے کی ماں بن گئی اور میری اتنے گنوں والی بیٹی' جانے کب اس کے مقدر کھلیں گے۔"

"رقیہ! اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ دلہن ابھی کسی جاننے والی کا ذکر کر رہی تھی۔ انشاءاللہ وہ لوگ اسی ہفتے آئیں گے۔" خالہ کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئیں تو رقیہ وہیں بیٹھی اپنے خیالوں میں گم رہیں۔

رخشندہ اپنے ڈاکٹر بھائی کا رشتہ حنا کے لیے لائی تھی۔ رخشندہ' حنا کی بچپن کی سہیلی تھی۔ پورا گھرانہ ہی بہت اچھا۔ ان لوگوں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ مہ رخ نے بہت زہر اگلا تھا۔

"نہ بھئی۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تھا "بر ڈھونڈنے کے لیے ہم سے تو نہیں کی جا سکتی دوستی۔"

"بھابھی! آپ کسی کو بھلا دوستی جیسا شرف بھی کہاں بخش سکتی ہیں۔" حنا نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ مہ رخ کے آگے چپ نہیں ہونا۔

"اچھی پڑھائی ہے۔ ساتھ ساتھ خصم بھی اچھا

لیا۔"

"مجبوری بھابھی! ہماری امی نے تو آپ کو ڈھونڈنے کے بعد توبہ کرلی ہے۔"

حنا کے لئے ایسا الزام بہت مشکل مرحلہ تھا۔ اس نے رقیہ کو انکار کرنے پر بہت زور دیا تھا لیکن صبا اور ذیشان نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔

عکس اور اس سے سال بھر چھوٹی نقش کی پیدائش پر رقیہ کا خیال تھا شاید بیٹیوں کی آمد مہ رخ کو بدل دے لیکن مہ رخ شاید ریت سے بنی ہوئی تھی اس پر کسی بات کا' کسی نیکی کا کوئی اثر نہ تھا۔ جیسی خشک اور بنجر تھی ویسی ہی رہی۔

عکس اور نقش اپنی ماں کی ہر خوبصورتی اپنے اندر سموئے ہوئے تھیں۔ نقش کی پیدائش پر شاید وہ پہلی بار اپنے رب کی شکر گزار ہوئی تھی کہ اس کی دونوں بیٹیاں ددھیال پر نہیں گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

جن لوگوں کا خالہ نے کہا تھا وہ اگلے ہی ہفتے آ گئے۔ صبا اب اس نمائشی پریڈ سے تنگ آ چکی تھی۔ لیکن ماں کو وہ انکار نہ کر سکی۔ ثاقب کے گھر والے اچھے لوگ تھے۔ شائستہ اور سلجھے ہوئے لیکن وہاں سے ابھی تک مکمل خاموشی تھی۔

اس روز خالہ' ان کے گھر افتاں و خیزاں داخل ہوئیں۔

"رقیہ تم تو بیٹھی رہو ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر۔ سب پتا لگا آئی ہوں۔ پوچھو اپنی بہو سے' یہ ثاقب کے گھر کون سی آگ لگا کر آئی ہے۔ خدا کی مار ہو اس پر۔" خالہ اب اونچا اونچا بول رہی تھیں۔ جو مہ رخ کی راجدھانی میں ممنوع تھا (کسی اور کے لیے)

مہ رخ تن فن کرتی کمرے سے باہر نکلی۔ "بہت برداشت کرلیا ہے بڑھیا تجھے' خبردار! جو میرے گھر قدم بھی رکھا۔ اپنے گھر کھانے کو نہیں ملتا۔"

خالہ کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھیں جب رقیہ کے ہاتھ کے دباؤ نے ان کو خاموش کرا دیا۔ سفید چہرے کے ساتھ رقیہ' خطرناک حد تک بیمار لگ رہی تھیں۔

"مہ رخ ان لوگوں کا صبر تجھے لے ڈوبے گا۔" خالہ نے آہستگی سے کہا اور اٹھ آئیں۔

وقت کے تھال میں دن سکے بن بن کر گرتے رہے۔ شاہ خاور ہر روز اپنی روشنی سے دنیا کو منور کرتا۔ چاند' ہر رات چپکے سے ان کے آنگن میں جھانکتا' ننھی چڑیاں صبح شام ہر موسم میں اپنے رب کی ثناخوانی کیا کرتیں۔

"کاش میری زندگی میں صبا اپنے گھر کی ہو جائے۔" یہ رقیہ کی زندگی کی سب سے بڑی دعا بن گئی تھی۔

عکس اور نقش کے خوبصورت وجود میں صبا اور بھی دھندلا جاتی۔ وہ جاتے دسمبر کا کہر آلود دن تھا۔ صبح سے ایک بار بھی سورج کی کرنیں دھند کی دبیز چادر کو پار نہ کر سکی تھیں۔ رقیہ عصر پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔ سردی تھی کہ جوڑوں میں گھسی جا رہی تھی۔ صبا کچن میں چائے بنانے گئی تو رقیہ نے اس کو آواز دے کر ہیٹر جلانے کے لئے کہا اور پھر خود لحاف میں بیٹھ گئیں۔

ذیشان بینک کے کسی کام سے کراچی گیا ہوا تھا۔ اس نے کل شام واپس آنا تھا۔ مہ رخ اور بچیاں بھی اپنی ماں کے گھر گئی ہوئی تھیں' انہوں نے بھی کل شام سے پہلے نہیں آنا تھا۔ تب ہی ڈور بیل کی تیز آواز نے ماحول کے سناٹے کو توڑ دیا۔

"اللہ خیر کرے' اس کہر میں کون آ گیا۔" وہ چادر لپیٹ کر باہر آئیں صبا دروازہ کھول چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وجاہت عباس ابھی اٹھ کر گئے تھے کہ مہ رخ دوبارہ بولنا شروع ہو گئی تھی۔

"پہلے ساری عمر ماں بیٹیوں کو بٹھا کر کھلایا۔ اب ان کے ہوتے سوتوں کی بھی خدمتیں کرو۔" وہ جانے برتن دھو رہی تھی یا پٹخ رہی تھی۔

"عکس' نقش! تمہارے ہاتھ تو نہیں ٹوٹے۔ تم اپنی ماں کا خیال کرلو۔" مہ رخ کی زبان کسی کا لحاظ نہیں کرتی تھی۔

"امی پلیز! آپ نے برتن نہیں دھونے تو نہ دھوئیں یہ جاہلوں کی طرح واویلا تو نہ کریں۔ میری فرینڈز آنے والی ہیں۔" نقش تلملاتے ہوئے اندر چلی گئی۔

عکس' نقش ہر لحاظ سے ماں کی کاپی تھیں۔ انہیں ماں سے زبان چلانے میں کوئی جھجک نہ تھی۔ البتہ اپنے باپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔

"پاپا! اگر آپ مسکرایا کریں تو بہت اچھے لگیں۔" عکس اکثر کہتی تو ذیشان مسکرا دیتا۔

"نہیں ابو' آپ مسکراتے ہیں تو آپ کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔"

وہ دونوں اکثر کہتی تھیں "ابو! زندگی آپ پر بہت نامہربان رہی ہے۔"

اپنی دونوں پھوپھیوں اور دادی کا بھی لحاظ کر جاتی تھیں کچھ یہ بھی ان سے ہمیشہ ہی بڑی محبت سے پیش آتیں۔ حنا کے جو بھی اختلاف تھے وہ مہ رخ سے تھے۔ اپنی بھتیجیوں میں تو اس کی جان تھی۔ صبا تو تھی ہی سراپا شفقت۔

اس کہر آلود دن میں آنے والے مہمان' رقیہ کے لئے مژدہ جانفزا ثابت ہوئے۔ اس روز صبا کی کولیگ ثمرو اپنے بھائی کے لئے صبا کا ہاتھ مانگنے آئی تھی۔ وجاہت عباس کی پہلی بیوی بیٹے کی پیدائش پر زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔ جب تک دادی زندہ رہیں تو وجاہت کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن والدہ کے انتقال نے وجاہت کے لئے بہت سے مسائل کھڑے کر دیئے تھے۔ وہ جس مسئلہ کو گزشتہ پانچ سال سے ٹال رہے تھے اب ٹالنا ممکن نہ رہا تھا۔ ان کی شخصیت اور دولت کی وجہ سے کئی گھرانے ان کے طالب تھے لیکن وجاہت ایسا رفیق چاہتے تھے جو کہ عمرو جاہت کے لئے ماں بھی بن جائے۔

ایک سال اسی تگ و دو میں گزر گیا تھا۔ ثمرو کے لئے دو گھروں کی ذمہ داری سنبھالنا' نوکری کے ساتھ ساتھ نہایت مشکل تھا۔ بھائی کی اجاڑ زندگی بھی سامنے رہتی۔ تب ایک روز وہ بیٹھے بیٹھے چونک ہی پڑیں۔ صبا ان کی بڑی اچھی دوست تھی۔

"صبا! وہ کون سا محاورہ ہے بچہ بغل میں' ڈھنڈورا شہر میں۔"

صبا جو ابھی آ کر بیٹھی تھی نا سمجھی کے عالم میں سر ہلا بیٹھی تھی۔

اگلے دن' سردی کی پروا کئے بغیر ثمرو صبا کے لئے دست طلب دراز کئے پہنچ گئی تھی۔

رقیہ کے لئے تو یہ نوید بہاراں تھی۔ ثمرو کا گھرانہ ان کا جانا پہچانا تھا۔ اس وقت تو ثمرو کو سوچ کر جواب دینے کا کہہ دیا۔ بعد کے مراحل بہت آسان تھے۔ ثمرو سے اس گھر کے حالات چھپے ہوئے نہ تھے۔ مہ رخ سے سب کچھ چھپایا گیا تھا۔ بالا ہی بالا ذیشان نے سارے معاملات طے کر دیئے تھے اور مہ رخ کو محض ایک ہفتے پہلے ہی شادی کا بتایا گیا۔

ثمرو نے جہیز کے لئے بڑی شدت سے منع کیا تھا۔ لہٰذا صبا کو صرف زیورات کپڑے اور کیش ہی دیا گیا۔ مہ رخ کو پہلے تو بہت تاؤ چڑھا لیکن "دولہا جو" سن کر کچھ ٹھنڈی سی پڑ گئی۔

"ہونہہ! ہو گا کوئی بڈھا' اس کالی چڑیل کے لئے۔"

شادی کے دن پہلے تو شاندار بری اور بھاری بھرکم زیورات نے مہ رخ کو پریشانی میں مبتلا کر دیا اور وجاہت عباس کو دیکھ کر تو مہ رخ کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

اونچے' لمبے سرخ و سفید وجاہت' کہیں سے بھی ایک بچے کے باپ نہ لگ رہے تھے۔

فیروزی لہنگے میں صبا' آسمان کی سے اتری ہوئی حور لگ رہی تھی۔ مہ رخ کا ظرف اب مزید برداشت کا متحمل نہ تھا۔

"بس بہت ہو گیا ذیشان! مجھے کسی نے صبح سے پانی بھی نہیں پوچھا۔" مہ رخ ذیشان پر برس پڑی۔

"مہ رخ! تمہارے گھر میں شادی ہے۔ تم خود میزبان ہو۔"

"میری ماں بہنوں کو کسی نے جوتے کی نوک پر

نہیں رکھا۔"

"مہ رخ! تم میزبان ہو۔ یہ تمہارا فرض تھا۔" ذیشان رسانیت سے کہتے ہوئے آگے چلا آیا۔

مہ رخ اسی وقت واپس گھر چلی آئی۔ اس نے عکس اور نقش کو البتہ نہیں کہا کیونکہ وہ اسی کی بیٹیاں تھیں۔ منہ پھٹ اور بدتمیز۔ انہوں نے مہ رخ کی ایک نہیں سنی تھی۔

رخصتی کے سمے' صبا خود تو روئی سب کو بھی رلا دیا۔

آج اس کو وہ مہربان سا وجود بہت یاد آیا تھا۔ جس کے نہ ہونے سے زندگی کے ساتھ ساتھ روح بھی خار خار ہو گئی تھی۔ رقیہ البتہ ایک عجیب سی کیفیت میں تھیں۔ صبا کو وداع کر کے گویا وہ ظہیر کی نظروں میں بھی سرخ رو ہوئی تھیں۔ ظہیر اگر ہوتے.... یہ تو شاید رقیہ کی ہر روز کی سوچ تھی۔

مہ رخ' صبا کے ولیمے میں بھی نہ گئی تھی حالانکہ ذیشان اور رقیہ نے بہت اصرار کیا تھا۔

صبا کو بھابھی بنانے کا فیصلہ کتنا درست تھا۔ اس کا ثمرو کو تو خیر پہلے ہی سے احساس تھا۔ لیکن بہت متامل وجاہت اب اس قدر خوش تھے کہ خوشی ان کے روم روم سے چھلکتی تھی۔ عمر قدرے ہچکچایا لیکن جلد ہی صبا میں چھپی ممتا نے اس کو بھی اسیر کر لیا۔

شادی کے دوسرے سال صبا کی گود میں علی آ گیا۔ بالکل عمر وجاہت جیسا.... تو وجاہت عباس کو یوں لگا کہ جیسے زندگی مکمل ہو گئی ہو۔

☼ ☼ ☼

عکس اور نقش کے رشتے بہت آتے تھے۔ عکس فورتھ ایئر میں تھی جب عکس کے لئے خضر حیات کا پروپوزل آیا۔

ایم بی اے.... قابلیت کے ساتھ امپورٹ' ایکسپورٹ کا بزنس۔ بیوہ ماں اور ایک چھوٹی بہن اور بھائی لیکن مہ رخ کو اس فیملی کی جو چیز بہت اچھی لگی وہ تھے سب کے سانولے سلونے رنگ اور درمیانی سی شخصیتیں۔

"یہ لوگ میری عکس کے آگے اور بھی معمولی لگیں گے۔" یہ مہ رخ کے ذہن میں آنے والی پہلی سوچ تھی۔ "جیسے میری سسرال نے میرا دم بھرا ویسے ہی یہ لوگ عکس کا بھریں گے۔"

وہ لوگ تو پیام دے کر چلے گئے تھے لیکن مہ رخ ابھی اسی ادھیڑبن میں تھی۔

ٹاٹ میں مخمل کا پیوند اگر لگے تو ٹاٹ اور بھی کم مایہ لگنے لگتا ہے۔

اس کے ذہن میں ایک بار بھی یہ خیال نہ آیا کہ جن نیک اور شریف لوگوں کی ہر نیکی کو وہ اپنے حسن کا خراج سمجھتی آئی ہے۔ کبھی ان سے تو پوچھ لیتی کہ اس کے حسن کے کتنے تابع ہیں تو شاید اس پر اپنی بدنصیبی پوری طرح واضح ہو جاتی۔

کاش ذیشان کبھی اس کو کہہ سکتا کہ "ابتدائی چند دنوں کے علاوہ' ایک عمر گزر گئی مہ رخ! میں نے تو تمہارا چہرہ دیکھا ہی نہیں' تم نے کیا پہنا' تم پر کیسا لگا مجھے کچھ خبر نہیں۔ میرا تو سارا دھیان صرف تمہاری بدصورت زبان گھٹیا ذہن اور تنگ دل میں ہی لگا رہا۔"

رقیہ' حنا اور صبا نہ جانے کتنی بار اس گھڑی کو پچھتاتی تھیں جب وہ مہ رخ کی صورت کی اسیر ہوئی تھیں۔ جب رقیہ نے خالہ کا مشورہ بھی نہ مانا تھا۔

یہ لوگ بالکل ایک آئیڈیل سسرال کے سانچے میں فٹ ہو رہے تھے۔ مہ رخ نے کسی کی ایک نہ سنی۔ عکس نے بہت منتیں کیں کہ کم از کم اس کو گریجویشن تو مکمل کر لینے دیں۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔

مہ رخ کی مشاورت کے لئے اس کی بہنیں تھیں جو جہالت میں اس سے بھی آگے تھیں اور یوں عکس' خضر حیات کے سنگ' آنکھوں میں سپنے سجائے سسرال چلی آئی۔ زادِ راہ کے طور اس کے پاس بوڑھی دادی کی بیش بہا دعائیں تھیں۔ اپنے باپ کا دستِ شفقت تھا۔ اپنی پھوپھیوں کی نیک خواہشات تھیں اور ان سب پر حاوی' مہ رخ کی کامیاب شادی شدہ زندگی کے تجربات تھے۔ جو اس نے اپنی تربیت کے ذریعے میں دونوں بیٹیوں کے اندر اتار دیئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ہنی مون سے واپسی بھی ہو گئی۔ دعوتیں بھی ختم ہوئیں۔ کھیر پکوائی بھی ہو گئی لیکن عکس کا دلہناپا برقرار تھا۔

خضر اس کو جگا جگا کر تنگ آ جاتا لیکن عکس اٹھ کر نہ دیتی۔ ماں' بہن کو ناشتے کا کہنا خود اسے عجیب لگتا۔ لیکن ردا' پہلے کی طرح ہر صبح اس کا ناشتہ بنا کر رکھ دیتی۔ کالج جانے سے پہلے وہ جلدی جلدی کام نمٹا رہی ہوتی' اماں جی' ماسی سے صفائی کرواتیں تو خضر جانے کیوں خجل سا ہو جاتا۔ حالانکہ کسی نے بھی اس کو کچھ نہ جتایا تھا۔

عکس بارہ بجے تیار ہو کر نہایت اہتمام سے ناشتہ کرتی اس کے بعد فون سنبھال لیتی۔ خضر کو اور اپنی ماں کو فون کرنے کے بعد' ٹی وی کا ریموٹ سنبھال کر اس دل جمعی سے بیٹھتی کہ دنیا وما فیہا کی خبر نہ ہوتی۔

اب لاکھ اماں کی خواہش ہوتی کہ بہو کو کسی کام کے لئے کہہ دیں لیکن محویت کا وہ عالم کہ توڑتے ہوئے از خود ہی جھجک جاتیں۔

کبھی جو کہہ دیتیں کہ "بیٹا! ذرا ایک کپ چائے بنا دو' صبح سے سر دکھ رہا ہے۔" تو چائے کے نام پر جو محلول سامنے آتا۔ وہ حلق سے اترنے سے صاف صاف انکار کر دیتا۔ کچن میں جا کر بہا کر آتیں تو سبزی کی ٹوکری بھی اٹھا لاتیں۔

امید پر دنیا قائم ہے کے مصداق کہ شاید بہو کہہ دے "اماں جی آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے لائیں۔ سبزی میں بنا دوں۔"

"اماں جی!" وہ یوں ہمہ تن گوش ہوئیں کہ جیسے پکارنے والا ان کو آبِ حیات کا پتا بتانے والا ہو۔ "آپ پلیز! پیاز کچن میں کھڑے ہو کر کاٹ لیں۔ آنکھوں میں تکلیف ہوتی ہے۔"

خضر حیات کے آنے سے پہلے دوبارہ تیار ہوا جاتا۔ سب کہتے تھے کہ فرحت بانو کی بہو نے صحیح معنوں میں بری اور جہیز کے جوڑے پہنے ہیں۔ وہ تو اپنا عروسی جوڑا بھی سات آٹھ بار استعمال پہن چکی تھی جو اکثر خواتین محض ایک بار ہی پہن کر رہ جاتی ہیں۔

مہ رخ نے اس کو بار بار ذہن نشین کرایا تھا۔ "پہن اوڑھ کر رہا کرو۔ شوہر اسی طرح قابو میں رہتے ہیں' ساس نند کو جلنے دیا کرو۔" شادی کے بعد عکس اور مہ رخ کی ہم آہنگی میں بہت اضافہ ہوا تھا۔ عکس کو ماں کے نسخے تیر بہ ہدف لگتے تھے۔

خضر' ایک اچھا انسان تھا۔ لیکن وہ ذیشان کی طرح خاموش اور صابر نہ تھا وہ اب عکس کو سختی سے اپنے کام کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ چھٹی والے دن عکس کو کھانا بھی پکانا پڑتا تھا۔

"عکس! پلیز تم کپڑے تو موسم کے حساب سے پہن لیا کرو۔" وہ اکثر ٹوک دیتا۔ جب محض کسی دوست کے گھر جاتے ہوئے عکس' جڑاؤ سیٹ اور کوئی بھاری جوڑا نکال کر پہن لیتی۔

گرمی میں کسی کے گھر جاتے ہوئے ریشمی جوڑا پہن کر' عکس پسینہ پسینہ ہوتی رہتی لیکن مہ رخ نے اس کو بتایا تھا کہ شوہر کا دل ریشمی کپڑوں پر بہت تیزی سے پھسلتا ہے۔

اس روز' عکس خضر کو لے کر صبا کے گھر گئی تھی۔ گھریلو سادہ سے کپڑوں میں ملبوس صبا اور وجاہت دونوں بڑے تپاک سے ملے۔ عکس نے شادی کے بعد کم ہی رابطہ رکھا تھا۔ عکس کو ڈیشنگ سے وجاہت کے سامنے صبا بہت میلی میلی اور معمولی سی لگ رہی تھی۔

"عکس! تمہاری امی' میرا خیال ہے تمہاری فیملی سے نہیں ہیں۔" خضر واپسی میں کہہ رہا تھا۔

"تو اور کیا' ہماری فیملی میں تو کسی کا ایسا رنگ روپ نہیں ہے۔" وہ قدرے فخر سے بولی۔ "آپ نے دیکھا نہیں ہماری پھپھو کو' گرلز کالج میں پرنسپل ہیں لیکن ڈریسنگ کا سینس ہی نہیں۔" وہ نخوت سے مسکرائی۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے عکس بی بی! وہ گھر میں بناؤ سنگھار کر کے' کوئی کامدار بھاری سا جوڑا پہن کر بیٹھی رہیں۔ ساتھ دو چار زیورات بھی ٹانگ لیں۔ گھر میں چاہے کتے لوٹ رہے ہوں۔ (عکس کو یہ طنز اپنی ماں پر

لگا) وہ تو اس سادگی میں بھی نمایاں ہو رہی تھیں۔ ان کا گھر کس قدر صاف اور چمکدار تھا۔ اور کھانا...... کتنی جلدی انہوں نے کتنی چیزیں گھر پر بنائیں۔ یہ مہمان کی اصل خاطر ہوتی ہے۔ بازار کی بنی ہوئی چیزوں سے میز بھر دینا تو کوئی مدارت نہ ہوئی (یہ دوسرا طنز بھی امی پر کر دیا تھا۔ آئندہ نہیں آنا پھپھو کے گھر) اور عکس! خضر کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"وجاہت انکل کی آسودگی دیکھی تم نے؟" وہ اب قدرے شگفتگی سے کہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے ہی روز، عکس نے شام میں واویلا مچا دیا تھا کہ امی کی طبیعت خراب ہے 'فون آیا ہے' مجھے ابھی جانا ہے۔ بھاگم بھاگ وہ لوگ پہنچے تو مہ رخ بستر پر دراز تھی۔ سر پر پٹی ضرور بندھی تھی۔ (یہ پٹی شاید ہماری ساس صاحبہ کا ٹریڈ مارک ہے۔) خضر نے سوچا۔

"امی! انقش کدھر ہے؟"

"وہ اپنی کسی سہیلی کے گھر گئی ہے۔ جا نہیں رہی تھی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے بھیجا ہے۔" داماد کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ آتی دیکھ کر انہوں نے بات بنائی۔

اصل میں ان کی بہن نے اپنے پیر صاحب سے عکس کی سسرال کے دل خراش واقعات سن کر ان کو تعویذ اور چینی لا کر دی تھی۔ پہلا تعویذ نوچندی منگل کو کھلانا ضروری تھا اور آج منگل ہی تھا لہٰذا عکس کو بلوایا تھا۔

"عکس! میں ذرا دادی اماں کو سلام کر آؤں۔" خضر اٹھ کھڑا ہوا تو دونوں نے شکر کا سانس لیا۔ حالانکہ عام طور پر مہ رخ، خضر کو رقیہ کے پاس اکیلا نہیں چھوڑتی تھی۔ خضر اٹھا تو مہ رخ نے عکس کو تعویذ دیا کہ "ابھی پانی میں گھول کر پلا دے۔"

ایسے بہت سے پیروں اور بابوں کی کرامات کی وہ سب دل و جان سے قائل تھیں۔ باوجود کوشش کے خضر عکس کو جلدی اٹھنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ نقش بھی کافی دیر بعد واپس آئی تھی۔

"امی! آپ کو تو میں اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی یہ پٹی کیوں باندھ لی۔" خضر حیات نے چونک کر عکس اور مہ رخ کی طرف دیکھا۔ جہاں پر خجالت کا کوئی نشان نہ تھا۔

ذیشان بھی کافی دیر بعد آیا تھا۔ اس جاہلانہ ماحول میں اس کی آمد خضر کو تازہ ہوا کے جھونکے کا احساس دلا گئی تھی۔ رات کو ٹیبل پر انواع واقسام کی ڈشیں تھیں۔

"خضر بیٹا! یہ بریانی لو' بریانی ہاؤس سے منگوائی ہے۔ یہ کباب لو' میں نے ذیشان کو فون کر دیا تھا۔ بھئی ان کے بینک کے نیچے دوکان ہے۔ کیا غضب کا ذائقہ ہے۔"

"یہ کھیر یوسف والے بس کمال ہی کر دیتے ہیں۔" سلاد تک بازار سے منگوایا تھا۔ قورمہ اور روغنی نان بھی نزدیکی ہوٹل سے، محلے کے کسی بچے کو بھیج کر منگوائے گئے تھے۔

"آپ' آپ لوگ گھر پر کچھ نہیں پکاتے؟" بددلی سے کھیر کھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"یہ آپ کے گھر کا رواج ہے مہمان کو اکیلا بٹھا کر خود خواتین باورچی خانے میں گم ہو جاتی ہیں۔ مہمان بیٹھا سوکھتا رہے' پر بازار سے کچھ نہ آئے۔" عکس نے بڑے تفاخر سے جواب دیا تھا۔

مہ رخ کچھ دور بیٹھی تھی اس لیے نظروں ہی نظروں میں اس کو شاباش دی۔ خضر حیات انتہائی کوفت کے عالم میں اٹھا تھا۔

"سنو عکس!" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی بے حد سرد لہجے میں پکارا۔ "آج کے بعد تم کبھی میری فیملی ڈسکس نہ کرنا۔ تمہیں ان سے جو شکایت ہو' وہ مجھ سے کہہ سکتی ہو۔"

"اور اگر کروں تو؟"

"عکس مجھے حد سے گزرنے پر مجبور نہ کرو۔" گاڑی سے اتر کر عکس انتہائی غصے میں کمرے میں جانے لگی تھی۔

جب خضر حیات نے بڑی سختی سے اس کی کلائی پکڑی۔ "چلو منہ سیدھا کرو۔ اماں جی کو سلام کر آئیں۔ وہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی ہوں گی۔"

عکس تو سلام کرتے ہی واپس پلٹ گئی البتہ خضر کچھ دیر بعد اٹھا۔

"مجھ سے یہ امید قطعی نہ رکھنا کہ میں ان آنسوؤں سے مرعوب ہو جاؤں گا اور اپنے ناکردہ گناہوں کی معافیاں تم سے مانگوں گا۔" اس نے روتی ہوئی عکس کو مخاطب کر کے کمرے کی لائٹ آف کی اور کروٹ بدل کر "فوراً" ہی سو گیا۔

"یہ تعویذ تو الٹا ہی پڑ رہا ہے۔ صبح اٹھ کر چینی ضرور کھلاؤں گی۔"

عکس نے ٹائم پیس پر الارم لگایا کیونکہ صبح اٹھنے کی عادت نہ تھی۔ ناشتہ بنا کر اس کے آگے رکھ دیا۔ چائے میں چینی ملا کر اس کو پلا دی اور جب تک چائے پی نہ لی عکس وہیں منڈلاتی رہی۔ چائے پی کر خضر آفس گیا اور عکس دوبارہ لیٹ گئی۔

رات دیر سے سوئی تھی اور صبح جلدی اٹھی تھی' لہٰذا "فوراً" ہی آنکھ لگ گئی۔ یہ گیارہ بجے کا وقت ہو گا جب کسی نے اس کو جھٹکے سے اٹھایا۔

خضر حیات نہایت غصے سے گھور رہا تھا۔ اسے اس وقت گھر میں دیکھ کر عکس کے اوسان ہی خطا ہو گئے۔

"مجھے ناشتہ دے کر' اس گھر میں تمہاری ہر ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔" وہ دھاڑا۔

"خضر! میں کام ختم کر کے اماں سے پوچھ کر لیٹی تھی۔" عکس کو جھوٹ بولنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی۔

جواب میں خضر اس کو اسی طرح کھینچتا ہوا ڈائننگ ٹیبل پر لے آیا جہاں ابھی تک ناشتے کے برتن اسی طرح پڑے تھے۔ پھر کچن، جو ناشتے اور رات کے برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ ٹی وی لاؤنج، سکندر کا کمرہ ہر چیز بے ترتیب پڑی تھی۔

"کون سا کام تم نے سمیٹا ہے؟" وہ چیخ رہا تھا۔ "تم نے از خود ہی سمجھ لیا ہو گا کہ تمہارے سونے کے دوران اماں، ردا اور ماسی نے کام ختم کر لیا ہو گا۔ رات ہی طے ہو گیا تھا کہ امی اور ردا سکندر کے ساتھ حیدر آباد خالہ کے گھر جائیں گی اور ماسی کی بیٹی بھی کل شام بتا گئی تھی کہ آج اس نے نہیں آنا اور تم سب کچھ اماں اور ردا پر ڈال کر اطمینان سے سو رہی ہیں۔ میں اپنی فائل لینے گھر آیا تو سب دروازے کھلے تھے مین گیٹ بھی بند نہیں تھا۔

عکس کی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ "فوراً" کون سا جھوٹ بولے۔ شرمندہ تو وہ قطعاً "نہ" تھی۔ کام چھوڑ کر سو جانا اور تھوڑا بہت جو ضروری ہو وہ کر لینا یہ اس کے میکے کا روٹین تھا۔

"عکس! کسی غلط فہمی میں مت رہنا۔ میں خضر حیات ہوں ذیشان ظہیر نہیں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر پلٹا۔

"رات کو میرے کچھ دوست کھانے پہ آ رہے ہیں۔ ہر چیز گھر پر تیار کرنا اور ڈنر بہت عمدہ ہونا چاہئے۔ گیٹ بند کر لو۔ میں اب رات کو ہی آؤں گا۔"

عکس نے گیٹ بند کیا اور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ خضر نے اس کو بولنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا تھا۔ اپنی سنا کر چلا گیا تھا۔ یہ بھی عکس کے لئے بہتر ہی ہوا۔ لیکن کھانے کا مسئلہ ایک پہاڑ کی طرح اس کے سامنے تھا۔

اس معاملے میں وہ اپنی ہمہ صفت موصوف ماں کی بھی کوئی مدد نہ لے سکتی تھی۔ کیونکہ کھانے پکانے میں وہ بالکل کوری تھیں۔ ایک بجنے والا تھا اور اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"صبا پھپھو کو فون کرتی ہوں۔" اس نے سوچا۔

"لیکن وہ تو کالج میں ہوں گی۔" خود ہی نفی کر ڈالی۔

"کوشش کرنے میں تو حرج نہیں۔" مرے مرے قدموں سے فون کی طرف بڑھی۔ صبا کے نمبر ڈائل کیے دوسری ہی بیل پر صبا نے فون اٹھایا۔ صبا کی آواز سن کر اس میں جان پڑ گئی۔

"پھپھو پلیز! میری مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔ آپ کو تو پتا ہے مجھے کوکنگ بالکل نہیں

آتی۔" عکس اب روہانسی ہو رہی تھی۔

"عکس! تم پریشان نہ ہو۔ میں آتی ہوں۔" پندرہ منٹ میں صبا آگئی تھی۔

"وجاہت گھر پر ہی تھے۔ اس لیے بچوں کا کوئی مسئلہ نہ ہوا۔" وہ عکس کو بتا رہی تھی۔

"پھپھو! انکل آپ کو باہر ہی سے چھوڑ کر چلے گئے۔ اندر لے آتیں۔"

"عکس میں تو اپنی گاڑی لائی ہوں۔ میں نے سوچا اگر کچھ لانا پڑا تو لے آؤں گی۔ اب بتاؤ..... گھر میں کیا کیا ہے اور مارکیٹ سے کون سا سودا سلف آنا ہے۔" صبا کو وقت کی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔

"پھپھو! مجھے تو کچھ پتا نہیں کہ کون کون سی چیزیں گھر میں ہیں۔ دیکھنا پڑے گا۔" عکس خجل سی ہوئی۔

"عکس بالکل بھابھی کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔" صبا نے قدرے افسردگی سے سوچا۔ کچن کافی گندی حالت میں تھا۔

"پھپھو!" عکس نے فریزر کھولا۔ "چکن اور قیمہ دونوں ہیں۔ دودھ بھی فریزر میں ہے۔" کسٹرڈ بھی موجود تھا۔ صبا نے سب سے پہلے کسٹرڈ کے لیے دودھ گرم ہونے رکھا۔ عکس کو پھل کاٹنے پر لگایا اور خود برتن دھونے لگی ـــ کسٹرڈ بنا کر اس کو ڈائننگ ٹیبل پر ٹھنڈا ہونے رکھ دیا۔ اور کبابوں کے لیے قیمہ ککر میں چڑھا دیا۔

"عکس! تم اب سلاد کاٹ لو۔" اس نے چکن چڑھاتے ہوئے کہا۔ پانچ بجے تک صبا کباب، قورمہ، چکن کڑھائی اور کسٹرڈ بنا چکی تھی۔ پلاؤ کی یخنی تیار تھی۔

"عکس! اب میں جاتی ہوں۔" اس نے چکن کڑاہی کے لیے ہری مرچ کاٹتے ہوئے کہا۔

"چاول تو تم پکا لوگی نا! اگر ابھی پکا لیے تو ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

"پھپھو! آپ کھانا کھا کر جائیں نا۔"

"نہیں بیٹا! بہت دیر ہو جائے گی۔ سنو عکس! خضر کا دھیان رکھا کرو وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔"

خضر دھڑکتے دل کے ساتھ ہی اپنے دوستوں کو لایا تھا۔ اس نے انہیں ہوٹل ڈنر کرانے کی پیشکش کی تھی لیکن انہوں نے بھی گویا بھابھی کے ہاتھ کا کھانا کھانے کی قسم کھائی تھی۔

"اچھا ہے" خضر نے تلخی سے سوچا۔ "کھا کے آئندہ تو نہیں کہیں گے۔"

اس کی توقعات کے برعکس ڈرائنگ روم صاف تھا۔ دوستوں کو بٹھا کر اندر آیا تو عکس ٹیبل پر برتن سیٹ کر رہی تھی۔

"عکس! کچھ بنایا بھی ہے یا نہیں۔" وہ قدرے عجلت میں بولا۔

"سب کچھ تیار ہے۔ آپ فریش ہو جائیں۔"

"کچھ اور تو نہیں منگوانا۔"

"نہیں، ہر چیز تیار ہے۔"

دوستوں نے کھایا تو وہ انگلیاں چاٹتے رہ گئے۔ خضر سے تو مارے حیرت کے کھایا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"سنو!" دوستوں کے جانے کے بعد اس نے کچن سمیٹتی عکس سے کہا۔ "تھک گئی ہوگی۔ صبح کر لینا۔"

عکس نے آج اپنا سکہ جمانا تھا لہٰذا برتن دھو کر اور کچن صاف کر کے ہی کمرے میں آئی۔

☼ ☼ ☼

کچھ دن دونوں کے تعلقات بہتر رہے لیکن پھر وہی کھنچاؤ۔

عکس کے وہی رنگ ڈھنگ، ناز و انداز اور جھوٹ کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔

خضر کے گھر والوں نے عکس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ توقعات کا دروازہ بند کر دینے کے بعد ان کو عکس سے کچھ شکایت نہ تھی۔ اور عکس یہ سمجھتی رہی "آخر دب گئے۔ ہونہہ! شکلیں اپنی دیکھتے نہیں ہیں اور۔" وہ اکثر حقارت سے سوچتی۔

اس کو اب بھی مہ رخ کے تیر بہدف نسخوں پر بھروسہ تھا۔ ساتھ ساتھ مختلف طرح کے تعویذ دھاگے بھی آزمائے جاتے۔ جن کے لیے وہ بھی تو

سے جھوٹ بول کر پیسے لیتی اور کبھی چپ چاپ اس کی جیب سے نکال لیتی۔

ان ہی بیزار سے دنوں میں عکس کو ماں کے رتبے پر سرفراز ہونے کی خوشخبری ملی تو خضر کچھ الجھ سا گیا۔

بہت سال پہلے حضرت علی کا قول پڑھا تھا کہ "ایمان کے بعد، اچھی بیوی سب سے بڑی نعمت ہے۔" اور آج جب عکس اس کی آئندہ نسل کی امین بننے جا رہی تھی تو قول آج بہت اچھی طرح سمجھ میں آ رہا تھا۔

اس نے اب بڑے پیار سے عکس کو سمجھانا شروع کیا۔ لیکن وہ عکس ہی کیا جو بات سمجھ جائے۔ اگر وہ کچھ نرم پڑتی بھی تو ماں کا لیکچر اس کو دوبارہ ریت میں تبدیل کر دیتا۔

"عکس، ایک بار جھک گئی تو تمام عمر جھک کر ہی رہنا پڑے گا۔ مجھے دیکھ۔ ذیشان کی مجال نہیں جو مجھے ایک لفظ بھی کہہ سکے۔"

اور یہ فلسفہ عکس کو کوئی نہیں سمجھا سکتا تھا کہ جو جھکے نہ اسے ٹوٹ جانا پڑتا ہے۔

ردا کے سسرال والے شادی کا تقاضا کر رہے تھے اور فرحت چاہتی تھیں کہ ساتھ ہی وہ سکندر کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔

"ردا، دعا کیا کرو، سکندر کے لیے کوئی نیک شریف لڑکی مل جائے۔" وہ اکثر کہا کرتیں۔

فرحت خود بھی اللہ سے یہ التجا کرتیں۔ خضر کی مشکل زندگی خود ان کے لیے امتحان بنی ہوئی تھی۔ کتنے کتنے دن گزر جاتے۔ عکس ان میں سے کسی کو مخاطب نہ کرتی۔ گھر میں اس کا قیام ایک مہمان کی مانند تھا۔ کون آ رہا ہے۔ کیا پکنا ہے، صفائی، دھلائی کسی چیز سے کوئی غرض نہ تھی۔ خضر اپنے کپڑے دھوبی سے دھلواتا تھا۔ ردا کے بے حد اصرار پر بھی وہ دھوبی کو ہی دے آتا تھا۔ عکس اپنے کپڑے خود دھو لیتی تھی۔ بیڈ شیٹس اور تولیوں کے لیے عکس، مہینے کے اواخر میں ایک بار مشین لگا لیتی تھی۔

عکس، صرف ایک چیز میں مہ رخ سے مختلف تھی۔

مہ رخ کو اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی ذیشان سے محبت نہ تھی۔ وہ اب بھی ذیشان کا، اس کی ہر چیز کا بڑی شد و مد سے مذاق اڑاتی تھی۔ اتنے برسوں کی رفاقت کے باوجود اس کے بنجر دل میں محبت کی کوئی کونپل نہ پھوٹی تھی۔ ذیشان، اس کی راجدھانی تھی جس کو وہ بہت آسانی سے پامال کر لیتی تھی کیونکہ وہ اس راجدھانی کی ملکہ تھی۔

"ارے! یہ ہم ہی ہیں جو نباہ گئے۔" وہ اکثر ترنگ میں آکر یہ دعویٰ بھی کرتی تھی۔

لیکن عکس اس جگہ اپنی ماں کا کوئی رنگ نہیں لے سکی۔ اس کو خضر سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کی محبت میں سراپا ڈوبی ہوئی تھی۔

جب بھی اس کے ننھیال میں محفل جمتی جس میں اپنے علاوہ دنیا کے ہر فرد کا مذاق اڑایا جاتا۔ بہت سے نیک شریف لوگوں کے بخیے ایسے ادھیڑے جاتے۔ لیکن عکس، وہاں پر کسی کو اجازت نہ دیتی کہ مذاق کا کوئی لفظ بھی خضر حیات کی ذات تک آ پہنچے۔

☼ ☼ ☼

اس روز خضر کی خالہ آئی ہوئی تھیں۔ ردا کی بات ان کے ہاں طے تھی۔ ردا بھی بی۔اے کر کے فارغ تھی۔ خالہ، اب شادی کی تاریخ طے کرنا چاہ رہی تھیں۔

"آپا! بس کچھ دن اور ٹھہر جائیں۔ ردا کو بیاہ دیا تو اس گھر کا کیا ہوگا۔ سکندر کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ لینے دیں۔ بس پھر سکندر کی بھی ساتھ ہی کر دوں گی۔"

خضر وہیں بیٹھا تھا۔ خالہ بھی چپ ہو گئیں۔ بہن کی مجبوریاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ خضر خود کو مجرم سا محسوس کرنے لگا۔

امی کتنی آس سے عکس کو بیاہ کر لائی تھیں۔ بیوگی کی ایک طویل اور صبر آزما مشقت کاٹی تھی۔

"اب تو دلہن کو گھر سونپ کر دو کام کرنے ہیں، آرام اور عبادت۔" وہ اکثر کہا کرتیں۔ لیکن عکس کے حوالے سے دیکھا گیا۔ یہ خواب ریت کا گھروندہ ثابت

ہوا۔

شادی کے دو سال پورے ہو چکے تھے۔ لیکن اس کی بے نیازی ہنوز تھی۔ اس کے دل میں اس گھر، ساس نند اور دیور کے لیے محبت کی رمق بھی موجود نہ تھی۔

"وہ عکس تو ہمارے لیے لکیر ثابت ہوئی۔ نہ پھل نہ سایہ۔" یہ خضر کی اب ہر وقت کی سوچ تھی۔

خضر کو اب ذیشان کے روپ میں اپنا مستقبل نظر آتا تھا اجڑا اور ویران۔ ایک پریشان حال شخص جس کا دنیا کی کسی خوشی سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اس روز ذیشان کے گھر دعوت تھی اس کی ترقی کے سلسلے میں۔ خضر جانا نہیں چاہتا تھا لیکن ذیشان اور رقیہ نے خود اصرار کیا تھا لہٰذا وہ مجبور ہو گیا۔ ان دونوں کی وہ بہت عزت کرتا تھا۔ عکس تو صبح سے ہی چلی گئی تھی وہ البتہ شام ڈھلے پہنچا۔ گھر کے دیگر افراد میں سے تو کوئی جانے کو مانا ہی نہیں۔

عکس کی خالائیں مع اپنے بچوں موجود تھیں اور اس کی دونوں پھوپھیاں بھی موجود تھیں اپنی فیملی سمیت۔ خضر کو قدرے خوشگواریت کا احساس ہوا۔ وجاہت سے مل کر اس کو ہمیشہ بہت اچھا لگتا تھا۔ ان کی شائستہ بیوی، مہذب بچے اس کو ہمیشہ رشک میں مبتلا کر دیتے تھے۔

"وہ نقش!" اس نے اپنی سالی کو بلایا۔ "ماشاءاللہ بڑی گیدرنگ ہے لیکن دیگیں وغیرہ نظر نہیں آ رہیں۔ خالی پانی پی کر جانا پڑے گا۔" اس نے قدرے خوشگواریت سے کہا کیونکہ مہ رخ بھی بڑی سہولت سے بیٹھی تھی۔

"وہ خضر بھائی! آج ککنگ حنا اور صبا پھپھو نے کی ہے۔ ابو کی خواہش تھی کہ۔۔۔" اس نے دھیمے سے اور قدرے شرارتی انداز میں کہا۔ "بہت دن ہو گئے گھر کا بنا اچھا کھانا نہیں کھایا۔"

چونکہ یہ ان کی ذمہ داری تھی لہٰذا ماہ رخ اور فیملی، از خود ہی مہمان خصوصی بن کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔

"ہونہہ! خود ہی کریں۔ بہت نیک پروین بنتی ہیں نا۔ دیکھ لیں گے کیسے پکتا ہے اتنا کھانا۔" مہ رخ اپنے بہن سے کہہ رہی تھی۔

صبا اور حنا کچن میں ہی تھیں۔ نقش نے البتہ برتن وغیرہ ضرور سیٹ کیے تھے۔ بریانی کو دم سے اتار کر حنا نے توا رکھ دیا اور روٹی پکانے لگی۔

بڑے بڑے دیگچے کچن میں دھرے تھے۔ مٹن بریانی، چکن قورمہ، بیف کے پسندے، کوفتے، ماش کی دال، رائتہ سلاد اور ساتھ ساتھ گرم گرم روٹیاں۔ کھانا ایسا کہ بس کھاتے جاؤ۔ عکس کے ننھیال کو نہ چاہتے ہوئے بھی تعریف کرنا ہی پڑی۔ کھانے کے بعد برتن سمیٹ کر ماسی کو فوراً دھونے پر بھی لگا دیا۔

کھانے کے بعد خوشبودار قہوے نے اس پر تکلف اور مزے دار دعوت کو چار چاند لگا دیے۔

صبا اور حنا بھی اب فراغت سے بیٹھ گئی تھیں۔ گو کہ بیٹھے ایک ہی جگہ تھے لیکن گروپ علیحدہ تھے۔ عکس، نقش اپنے ننھیال کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

"خضر! کتنا برا لگ رہا ہے آپ جب سے آئے ہیں۔ انکلز کے پاس ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ خالو جان کئی بار آپ کا پوچھ چکے ہیں۔" اس نے اپنے مسکین صورت خالو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ عکس! میرے لیے یہ اطلاع ہے کہ تمہارے خالو کو "پوچھنے" جیسے آزادانہ فعل کی اجازت مل گئی اور بالی وا وے تمہیں کب سے اچھے بڑے کی فکر ہونے لگی۔" اس جواب پر عکس تن فن کرتی دوبارہ ماں کے پہلو سے جا لگی۔

"اے نقش!" اس کی خالہ گل رخ کی بات اور آواز نے تمام حاضرین کو متوجہ کیا تھا۔ "یہ کیسا میٹھا سا پیالہ کھول کر میرے آگے رکھ دیا۔ بھئی! بڑی کوشش کی اندر نہیں جا رہا۔ اٹھا لے اس کپ کو یہاں سے۔" نقش نے مڑ کر کپ کو دیکھا۔

"اُفوہ خالہ! پورا کپ خالی کر دیا اور اب کہہ رہی ہیں

لہٰذا خاندان بھر کے حالات حاضرہ سے لے کر خضر کا اچانک یہاں آنا تک ہر چیز ہی زیر بحث رہی۔ چچا جان گاہے بگاہے اس محفل میں آتے جاتے رہے۔ ردا نے کچھ وقت تو چچا کی لائبریری میں گزارا اور پھر کچن کی راہ لی کیونکہ یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا کہ ردا کو دیکھ کر چچی پھر کچن میں قدم نہیں رکھتی تھیں اور نہ ہی کوئی مشورہ دیتی تھیں۔

"ارے بچے اب خود ہی دیکھو اور پکا۔"

وہ بہت دنوں بعد ایک یادگار دن تھا۔ رات کو فرائیڈ مچھلی 'مٹرپلاؤ' رائتہ سے خوب ہی انصاف ہوا۔ رات گئے ان کی واپسی ہوئی تو ایک اچھے دن کی سرشاری ان پر طاری تھی۔

وہ لوگ ابھی لاؤنج میں آکر بیٹھے ہی تھے کہ سکندر نے ان کو چونکا دیا۔ "بھابھی تو صبح سے ابھی تک کمرے سے باہر ہی نہیں نکلیں۔ نہ ہی میری ہمت ہوئی کہ دروازہ بجا کر پوچھ سکوں۔"

وہ ماں بیٹی تو وہیں بیٹھی رہ گئیں۔ عکس کی ضدی اور خودسر طبیعت سے وہ بخوبی واقف تھیں۔ کہیں اس نے غصے میں کوئی غلط حرکت ہی نہ کر ڈالی ہو۔

"ارے خضر! دیکھتے کیا ہو' اٹھو' بہو ٹھیک بھی ہے۔" پریشانی نے ان کو ہولا دیا تھا۔

"امی جان! اطمینان رکھیں وہ ٹھیک ہے۔ رات وہ اپنی ماں کے گھر سے ہی واپس نہیں آئی تھی۔" خضر کے سکون میں' سرمو فرق نہ آیا تھا۔

"تو تم یہ بات صبح بھی تو بتا سکتے تھے۔"

"امی! اس میں چھپانے والی کوئی بات ہی نہیں' وہ اب ہمیشہ وہیں رہے گی۔" خضر بڑے آرام سے اتنی بڑی بات کہہ گیا تھا۔

ردا جو سونے کے ارادے سے اپنے کمرے میں جا رہی تھی پھر دوبارہ بیٹھ گئی۔ قدرے لاتعلق سے بیٹھے ہوئے سکندر نے سٹپٹا کر بھائی اور پھر ماں کی جانب دیکھا جو کہ مکمل حیرت اور صدمے کی حالت میں تھیں۔

"خضر کیا کہہ رہا ہے تو؟"

"امی جان! آپ یقین کریں یہ فیصلہ میں نے وقتی اشتعال میں آکر نہیں کیا۔ میں بہت دنوں سے یہی سوچ رہا تھا۔ رات کی بات سے البتہ قدرے جلدی ضرور ہو گئی۔" رات والی بات کی ان سب کو کوئی خبر نہ تھی تب خضر نے مختصر بتایا۔

"بیٹا! عکس ابھی بچی ہے آہستہ آہستہ سمجھ جاتی۔"

"جیسے اس کی والدہ سمجھ گئی ہیں۔" خضر اب بہت تلخ ہو رہا تھا۔ "امی میں نے عکس کو ہر طور سے سمجھایا۔ لیکن خودسری' ضد' خودنمائی اس کی تربیت کا حصہ ہے۔ وہ کسی طور اپنی روش سے ایک انچ بھی نہ سرکی۔ وہ ریت کی بنی ایک خوبصورت مورت ہے۔ جس پر کسی نرم جذبے کا اثر نہیں ہوتا۔ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ عکس میری آئندہ نسل کی امین نہیں بنی۔ ورنہ یہ فیصلہ کچھ دشوار ضرور ہوتا۔"

"لیکن خضر؟" امی نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔

"امی جان! بچ گئیں۔ ذیشان ظہیر کو دیکھ کر آپ کو نہیں لگتا کہ وہ آپ کے بیٹے کا مستقبل ہے۔" خضر بہت مایوسی کے عالم میں یہ سب کہہ کر اوپر چلا گیا۔

وہ تینوں سکتے کے عالم میں وہیں بیٹھے رہے۔ ایک خوشگوار دن کا بہت تلخ انجام تھا۔

☼ ☼ ☼

مہ رخ کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔ عکس اگر رات کو پریشان تھی تو اب بہت پرسکون تھی۔ حنا اور صبا صبح ہی اپنے گھروں کو چلی گئی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ اس پوری صورت حال میں بولنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں۔ صبا نے ہی حنا کو ڈراپ کرنا تھا۔ جب راستے میں حنا نے صبا سے کہا انہیں اپنے طور پر خضر کے گھر والوں سے رابطہ کرنا چاہیے۔ صبا خود بھی یہی کچھ سوچ رہی تھی۔

مہ رخ نے صبح ہی فون پر اپنی چھوٹی بہن کو مطلع کر دیا تھا اور خود اس کے گھر جانے کے لیے نکل رہی تھی۔ دونوں بہنوں کا ارادہ ایک بے حد مانے ہوئے عامل کے پاس جانے کا تھا۔ جس کی قابلیت کے چرچے ان کے حلقے میں عام تھے۔

"عکس! میری بچی!" مہ رخ نے گھر پہنچ کر چند گھڑیاں اس کو تھماتے ہوئے کہا۔ "جیسے میں کہوں ویسے کرنا' نہ خضر نے تیرے سامنے ناک سے لکیریں کھنچیں تو میرا نام بھی مہ رخ نہیں۔" عکس کے چہرے پر بھی اب اطمینان ہی اطمینان تھا۔

ذیشان اور رقیہ کے لیے تو یہ سب کچھ قیامت تھا۔ رقیہ تو بے آواز روئے جا رہی تھیں۔

"یااللہ' کوئی اور دن دکھانے سے پہلے مجھے اٹھا لے۔" آج سے پہلے رقیہ نے کبھی بڑی سے بڑی پریشانی میں بھی موت کی آرزو نہ کی تھی۔

ذیشان نے بینک سے واپسی پر عکس کو اپنے کمرے میں بلایا۔ روٹھی روٹھی سی عکس آکر چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"عکس بیٹا! پھر کیا سوچا ہے تم نے۔ گھر بنتے تو بہت مشکل سے ہیں لیکن ٹوٹنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگتا۔ میاں بیوی کے درمیان اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے لیکن اس کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ اٹھو' میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ وہ بھلے لوگ ہیں کھلے دل سے خوش آمدید کہیں گے۔"

"عکس!" وہ ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ مہ رخ ایک جھٹکے سے کمرے میں داخل ہوئی۔ کمر پر ہاتھ رکھے وہ بڑی خونخوار نظروں سے ذیشان کو دیکھ رہی تھی۔

"ارے میاں! بند کرو اپنی یہ پٹاری۔ میری بیٹی کی دو روٹیاں تم پر بھاری پڑ گئیں۔" اس کی بات سنتے ہی خاموش بیٹھی عکس زور و شور سے رونے لگ گئی۔

"یہ نصیحتیں۔ کسی اور کو دینا۔ جب تمہیں اپنی اولاد کی پروا ہی نہیں تو کاہے کو اندھے کنوئیں میں دھکیلتے ہو۔ جن جتنوں سے مجھ دکھیاری نے انہیں پال لیا ہے ان ہی سے آئندہ بھی کوئی راہ ڈھونڈ لوں گی۔" اب کے اس نے عکس کو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کر لیا۔

"ارے خدا کی مار ہو ان لوگوں پر۔ میرا صبر پڑے ان بدبختوں پر۔"

مہ رخ کا بے آنسوؤں کے رونا شروع ہو گیا تھا۔ گھر کے سناٹے میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔ ذیشان چپ چاپ گھر سے باہر نکل گیا۔

"کاش میں بزدلی کی حد تک شریف نہ ہوتا۔"

"کاش میں اب بھی دوبارہ گھر نہ لوٹ پاؤں۔" اس نے ایک آس بھری نظر آسمان پر ڈالی اور ہولے ہولے قدم اٹھانے لگا۔

مہ رخ کو اپنے عامل پر پورا یقین تھا' وہ عکس سے کہہ رہی تھی۔ "بس چند روز کی بات ہے دیکھنا کیسے دُم ہلاتا آئے گا۔" تب پوسٹ مین نے عکس کے نام کی رجسٹری حوالے کی۔

عکس تو خوف اور صدمے کے مارے بے ہوش ہی ہو گئی تھی۔ مہ رخ بھی حیرت زدہ تھی ۔۔۔ نقش نے اس لفافے کو کھولا۔

ان کے بدترین اندیشوں میں بھی یہ کہیں نہ تھا لیکن عکس کو پہلی طلاق وصول ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی اس کے خرچے کا چیک تھا۔

خضر تو عکس کے روم روم میں بسا تھا۔ اس کی شوخیاں' شرارتیں' گستاخیاں' اس کی رفاقت۔ وہ تو خضر کے علاوہ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور اب بھی اس کا یہ ہی خیال تھا کہ خضر اس کو منا کر لے جائے گا۔ لیکن یہ رجسٹری اس کے سارے خوابوں کو ریزہ ریزہ کر گئی تھی۔

اسی شام صبا خضر کے گھر پہنچ گئی۔ وہ لوگ بھی بے حد پریشان تھے۔ ایسے فیصلے' شریف لوگوں کو ہمیشہ ہی ناگوار لگا کرتے ہیں خواہ وہ بہوؤں کے لیے ہی کیوں نہ ہوں۔

"خضر!" صبا نے اس سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا عکس اتنی ہی مجرم تھی کہ ایک دم تم نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔ تم نے ایک بار بھی ہم میں سے کسی کا نہیں سوچا کہ ہمارے دل پر کیا گزرے گی۔ وہ تمہاری بیوی تھی اور تم نے اس کو۔۔۔ اس کو کسی کینسر زدہ حصے کی طرح خود سے علیحدہ کر دیا۔ ایسا کون سا جرم اس نے کیا جو ناقابل معافی ٹھہرا۔ خضر کیا عکس بدکردار تھی؟" صبا نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آنٹی! میں جانتا ہوں کہ آپ سب کو میں ہی ... اور قصوروار لگ رہا ہوں۔ لیکن صرف ایک بار ... جگہ خود کو رکھ کر سوچیے! پھر آپ کو لگے گا کہ میں ... جو کیا درست کیا۔ آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ میرے ... حصہ تھی۔ ہاں! ایک ہمیشہ دکھ دینے والا میرے ... حصہ۔ وہ میری رفیق تو کیا بنتی اس نے مجھے ... دوسرے رشتوں سے بھی دور اور علیحدہ کر دیا۔ اس کی کوتاہیاں' بدتمیزیاں مجھے ہر ایک کی نظر میں اس ... شرمندہ کرتی گئیں کہ میں نے اپنے رشتے داروں ... ملنا چھوڑ دیا۔ آنٹی! میاں بیوی کے رشتے میں تو ... لطافت ہوتی ہے لیکن میرے لیے تو یہ ایک بدترین تجربہ تھا۔

میری ڈیوٹی صرف اس حد تک تھی کہ میں عکس کے حسن کو خراج تحسین پیش کرتا رہوں اور وہ ... جتاتی رہے کہ صرف میں ہی نہیں' بلکہ ہم سب اس دیوی سے کس قدر کم تر درجے پر فائز' عام ... وصورت والے انسان ہیں۔

وہ کبھی اگر پریشان ہوئی بھی تو جانتی ہیں کس بات ... کہ اگر ہمارے آنے والے بچے شکل وصورت میں اپنے خاندان پر چلے گئے تو کیا ہوگا؟ آپ پلیز ایک بار اس سے پوچھیے گا کہ میرے گھر والوں کے کس حق کو' کس فرض کو اس نے ایک دن بھی ادا کیا ہو؟ میرے لیے اس نے خوشی سے کبھی کوئی کام انجام دیا ہو؟ اگر کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اس نے اپنی طبیعت پر جبر کیا ہو۔"

اس شام صبا بہت دیر وہاں بیٹھی رہی۔ جانے سے پہلے بھی اس کو احساس تھا کہ ان اچھے لوگوں کو عکس اور مہ رخ نے جی بھر کر ستایا ہوگا لیکن خضر اس حد تک بیزار ہو گیا' اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔ یہ ایک ہاری ہوئی بازی تھی۔ اس نے اب آخری بار عکس سے بات کرنے کی ٹھان لی۔

عکس ایک تباہ حال عورت کی تصویر بنی کمرے میں بیٹھی تھی۔ مہ رخ فون پر گرج برس رہی تھی اور کسی

کیا جا رہا تھا کہ خضر نے شرافت کا غلط فائدہ اٹھایا ہے اور اب وہ بھی اس کو ناکوں چنے چبوا دیں گے۔

"ارے پورے سات لاکھ روپے مہر لکھوایا تھا میں نے' ان ٹٹ پونجیوں کو پتا لگ جائے گا جب پیسے دینے پڑیں گے۔"

صبا عکس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر ہولے سے اس سے پوچھا۔

"میری جان! اب کیا ارادے ہیں۔ کچھ سوچا ہے تم نے؟" عکس دوبارہ سے رونے لگی۔

"پھپھو! خضر تو مجھ سے بہت محبت کرتے تھے پھر میرے ساتھ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"عکس! میں کل خضر سے ملی تھی۔ وہ اب بھی تم سے بہت محبت کرتا ہے لیکن تمہاری کچھ غلطیوں نے اس کو اس اقدام کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ خود اس کے گھر والے اس بات پر خضر سے بہت ناراض ہیں۔ تمہاری ساس نے تو کہا ہے کہ وہ گھر چھوڑ کر ہی چلی جائیں گی۔ اگر خضر نے دوسری طلاق بھیجی۔"

"ہونہہ! یہ سارا کیا دھرا اس بڑھیا اور اس منحوس چڑیل کا ہے۔" عکس کے منہ میں بالکل اپنی ماں کی زبان تھی۔ صبا نے قدرے تلخی سے اپنی بھتیجی کو دیکھا۔ اتنی بڑی ٹھوکر کھا کر بھی وہ سنبھلی نہ تھی۔

"عکس! خضر کو تم سے یہی شکایت ہے کہ تم نے اس کے کسی رشتے' کسی خوشی' کسی غم کو کبھی نہیں اپنایا۔"

"میں کیا کرتی۔ ان لوگوں نے مجھے بھی اپنا سمجھا ہی نہیں۔"

"چلو مان لیا انہوں نے نہیں اپنایا۔ تم کوشش کرتیں' اپنا دل بڑا کرتیں' خضر سے محبت کے صدقے میں ہی ان لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتیں۔ ان سے گھلنے ملنے کی کوشش کرتیں۔ تم تو خود وہاں پر سب سے بڑی مہمان بن کر رہ رہی تھیں۔ اس دوپہر جب ہم نے دعوت کے لیے کھانا بنایا تھا' عکس! انہیں کچن میں کسی مسالے' کسی برتن' کسی کیبنٹ کے بارے میں کچھ پتا نہ تھا۔"

عکس تھوڑی سی شرمندہ ہوئی۔ "پھپھو! مجھے کھانا پکانے کا شوق ہی نہیں ہے۔"

"بیٹا! کھانا پکانا محض شوق نہیں' ضرورت ہے۔ جیسے سانس لینا' کیا تم یہ کہو گی کہ مجھے سانس لینے کا شوق نہیں۔ بلاوجہ کی مشقت' لہٰذا میں سانس ہی نہیں لیتی۔ دیکھو عکس' میاں بیوی کا رشتہ بہت بڑی ساجھ ہے۔ ایسی ساجھے داری جو دنیا کے کسی اور رشتے میں نہیں ہوتی' تب ہی تو ہمارے مذہب میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔

بدقسمتی سے بہت سی عورتیں اس رشتے کو پانی پت کی جنگ سمجھ لیتی ہیں کہ جو جیتے گا اسی کو بادشاہی ملے گی۔ بیٹے! اس رشتے میں جو ہارتا ہے وہ فاتح ہوتا ہے۔ بس ایک بار اپنا آپ خضر کے آگے ہار کے تو دیکھو' تم دیکھنا جیت تمہاری ہوگی۔

اس شرط پہ کھیلوں گی پیا' پیار کی بازی
جیتوں تو تجھے پاؤں' ہاروں تو پیا تیری

"عکس! ایک بات کہوں' تم نے کبھی غور کیا۔ بھابھی اور بھائی کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ دونوں بلاضرورت ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے۔ ان کے پاس ایک دوسرے سے شیئر کرنے کے لیے کوئی جذبہ' کوئی لمحہ' کوئی موضوع نہیں ہے۔ وہ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے قطبین کے فاصلے پر ہیں۔ عکس! تم نے بھائی سے زیادہ تنہا

انسان دیکھا ہے۔ کبھی تم نے دیکھا کہ بھائی کی نظر جب بھابھی پر پڑتی ہے' وہ کتنی خالی ہوتی ہے۔ اس نظر میں محبت کی کوئی جوت نہیں ہوتی' اس نظر میں کسی رفاقت کا کوئی مدہم سا دیا بھی روشن نہیں ہوتا۔

عکس! ایک بار ضرور سوچنا۔ کیا مہ رخ بھابھی دنیا کی سب سے ہاری ہوئی عورت نہیں ہیں۔"

مہ رخ ایک جھٹکے سے کمرے میں داخل ہوئی۔ "او بی بی! جاؤ ہمیں نہ سمجھاؤ۔ اپنی راہ لگو۔" اس نے صبا کو حقارت سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بہت تم خضر کی سگی ہو نا! جاؤ...... اس سے کہو کہ ہمیں ایک ایک کر کے طلاق نہ بھیجے۔ اکٹھی دے۔ بڑا جگر ہے مہ رخ کا اور ہاں ساتھ ہی مہر کی رقم بھی بھجوا دے۔ نہ عدت کے اگلے دن امریکہ پلٹ لڑکے سے عکس کی شادی کروائی تو میرا نام بھی مہ رخ نہیں۔" اب کے اس نے اپنا ہاتھ منہ پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"عکس! تم بھی اٹھ کے تیار ہو جاؤ۔ وہ لوگ آج شام کو آئیں گے۔"

صبا تو صبا' خود عکس بھی حیرت سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کم فہمی اور جہالت کا مظاہرہ خود عکس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

حیرت کے جھٹکے پر قابو پا کر عکس ایک جھٹکے سے اٹھی۔

"امی! آپ کی ہمت کیسے ہوئی ایسا سوچنے کی بھی۔ میں خضر کی بیوی ہوں اور آپ مجھے دکھانے کے لیے لوگوں کو بلا رہی ہیں' امی! مجھے آج بہت گھن آ رہی ہے آپ سے بھی اور اپنے آپ سے بھی۔ آپ مجھے بھی اپنی طرح سمجھتی ہیں تاکہ ایک مدت بعد بھی ابو کی محبت کی ایک رمق آپ کے دل میں نہیں ہے۔" اب عکس غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"اتنے سالوں زندگی کی بساط پر اپنی مرضی کے مہرے چلا چلا کر اپنی بیٹی کو بھی ایک مہرہ سمجھ بیٹھی ہیں جس کے ذریعے چند شریف اور اچھے لوگوں کے منہ پر آپ بدنامی کی کالک مل سکیں۔" وہ بھی تو مہ رخ کی بیٹی تھی۔ منہ پھٹ' بدلحاظ لیکن آگہی کے لمحے نے خوش قسمتی کے در اس کے لیے وا کیے تھی۔ یہاں وہ مہ رخ سے جیت گئی تھی۔

مہ رخ پہلے تو ششدر رہ گئی تھی۔ اب ذرا سنبھل کر دوبارہ پلٹی۔ "ہائے ہائے میری بچی! کیا اول فول بک رہی ہے' صبا! تجھ پہ اللہ کی مار۔ کیا کر دیا تو نے میری بچی کو۔ ارے رقیہ بیگم! ارے ذیشان۔" وہ واویلا شروع کرنے کے لیے میدان میں آ گئی تھی۔ عکس نے اس کو سختی سے روک دیا۔

"خبردار امی! جو اپنی گندی زبان سے ان اچھے لوگوں کا نام لیا۔ جن کی شرافت' نیکی کو آپ نے ایک تماشا بنائے رکھا اور از خود سمجھتی رہیں کہ آپ نے میلہ لوٹ لیا ہے۔ کاش امی! مجھے یہ بات پہلے سمجھ میں آ جاتی کہ لوگ آپ سے اور ہم سے کیوں گریز کرتے ہیں' وہ ہماری خوبصورتی سے جلتے نہیں بلکہ ہماری بدسیرتی سے خوف کھاتے ہیں۔ ہمارے خاندان کے' میری سسرال کے' ہمارے محلے کے' ہر جگہ کے لوگ آپ کی زبان میں ان کالے پیلوں سے جھک کر ملتے ہیں۔

میرا شوہر' صبا پھپھو کو ایک آئیڈیل عورت سمجھتا ہے امی!" وہ اب اونچا اونچا رو رہی تھی۔ "آپ کی زندگی تو ٹکے دا تماشا ہے' آپ دنیا کی سب سے ہاری ہوئی تنہا اور بدصورت عورت ہیں۔"

مہ رخ اب منہ کھولے اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو راجدھانی کی ملکہ تھی۔ اس کے پاس پامالی کا ہر حق محفوظ تھا۔ پھر اس کی بیٹی یہ کون سا آئینہ دکھا رہی تھی۔

"آپ اس دنیا میں اللہ کا امتحان ہیں جو وہ اپنے نیک بندہ سے لیتا ہے۔ امی! کاش ابو' خضر کی طرح کا کوئی فیصلہ کر لیتے تو آج ایسی برباد زندگی نہ گزار رہے ہوتے۔"

"پھپھو!" وہ صبا کی طرف پلٹی۔ "آپ اور دادی مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں۔ ان کو بتا آئیں کہ میری غلطیاں قابل معافی نہیں لیکن ان کے ظرف اعلا ہیں' مجھے معاف کر دیں۔ مجھے اس تماشے کا حصہ نہیں بننا۔ میں ٹکے کی عورت نہیں بننا چاہتی بلکہ محبتوں کو پا کر انمول ہونا چاہتی ہوں۔"